

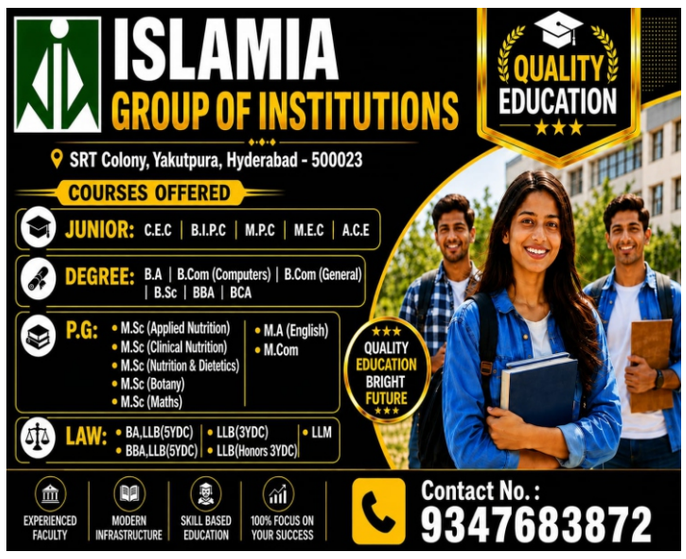
حیدرآباد R.N.I.No.APURD/2013/54302 ہفتہ روزہ

فلک نما نیوز

FALAKNUMA NEWS

Urdu Weekly Hyderabad

Editor In Chief: MOHD ATHER RAHEEM



WEDNESDAY 28 OCTOBER 2026 VOLUME:14 ISSUE :40 Rs.2.00 PAGES 4 چہارشنبہ ۲۸؍اکتوبر ۲۰۲۶ء ۱۶؍جمادی الاول ۱۴۴۸ھ جلد(۱۴) شمارہ(۴۰) قیمت ایک روپیہ

مرکزی اسپانسرڈ اسکیمات کیلئے فنڈس کے حصول پر توجہ دینے کی ہدایت

چیف سکریٹری سنجے جاجو کا جائزہ اجلاس، مرکزی اسکیمات کی پیشرفت پر بات چیت

حیدرآباد۔ چیف سکریٹری سنجے جاجو نے تمام محکمہ جات کے سکریٹریز کو ہدایت دی ہے کہ مرکزی حکومت کی اسکیمات سے متعلق فنڈس کے حصول کو اولین ترجیح دیں۔ انہوں نے مرکزی اسپانسرڈ اسکیمات کے فنڈس کے حصول کے لئے مرکزی محکمہ جات سے بہتر تال میل اور عاجلانہ اجرائی کو یقینی بنانے کا مشورہ دیا۔ چیف سکریٹری نے مرکزی اسکیمات پر عمل آوری کے مسئلہ پر سکریٹریٹ میں اعلیٰ سطحی اجلاس منعقد کیا۔ اجلاس میں اسکیمات پر عمل آوری، بجٹ کے خرچ، مرکز سے فنڈس کی وصولی اور دیگر امور کا جائزہ لیا گیا۔ چیف سکریٹری نے تمام متعلقہ محکمہ جات کو ہدایت دی کہ وہ مرکزی فنڈس کے حصول میں کوئی تاخیر نہ کریں۔ محکمہ جات کے سکریٹریز کو فنڈس کے ضمن میں زیرالتواء ۔ امور کی عاجلانہ طور پر تکمیل کرنی چاہئے۔ اجلاس میں محکمہ جات، اگریکلچر، پنچایت راج، دیہی ترقی، تعلیم اور اسکالرشپ جیسے موضوعات کا احاطہ کیا گیا۔ محکمہ جات ہوم رورل واٹر سپلائی، ہاؤزنگ، بلدی نظم ونسق، ٹرانسپورٹ، اینمل ہیسبنڈری اور فشریز سے مربوط مرکزی اسپانسرڈ اسکیمات کی پیشرفت کا جائزہ لیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ چیف منسٹر ریونت ریڈی نے مرکزی اسکیمات پر موثر عمل آوری اور زیرالتواء ۔ فنڈس کے حصول کے اقدامات کی ہدایت دی ہے۔ انہوں نے محکمہ جات کے سکریٹریز سے کہا کہ وہ اپنے اپنے محکمہ میں زیرالتواء ۔ امور کا جائزہ لیں۔ چیف منسٹر ریونت ریڈی ڈیش بورڈ پر مرکزی اسکیمات اور فنڈس کا جائزہ لے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں محکمہ جات کے ایڈیشنل سکریٹریز کو ذمہ داری دی گئی ہے کہ وہ مرکزی اداروں سے مراسلت کریں۔ انہوں نے اسکیمات پر عمل آوری سے متعلق رپورٹ پیش کرنے کی ہدایت دی۔ اجلاس میں اسپیشل چیف سکریٹری دانا کشور، مہیش دت ایکا، پرنسپل سکریٹریز راہول بوجا، سندیپ کمار سلطانیہ، یوگیتا رانا، احمد ندیم، کرسٹینا چنگٹو، سکریٹریز گوروا پل، سریندر موہن، شروتی اوجھا، ایلمبرتی، لاسکریٹری پاپی ریڈی اور دوسروں نے شرکت کی۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں احتجاج کے دوران اساتذہ اور ملازمین کا اظہارِ تشویش، یونیورسٹی نے کلاسیں آن لائن کردیں

طلبہ یونین انتخابات کے مطالبے کے درمیان انتظامیہ کا فیصلہ، اگلے حکم تک آن لائن تعلیم جاری رہے گی

رپورٹ: عرفان جامیاوالا

نئی دہلی | نئی دہلی کی جامعہ ملیہ اسلامیہ (JMI) میں طلبہ یونین کے انتخابات کے مطالبے پر جاری احتجاج کے درمیان ہفتہ کے روز یونیورسٹی کے اساتذہ اور غیر تدریسی ملازمین نے کیمپس کی دیواروں پر قابلِ اعتراض نعرے لکھے جانے اور یونیورسٹی کی املاک کو نقصان پہنچائے جانے پر شدید تشویش کا اظہار کیا۔ اس سلسلے میں منعقدہ اجلاس میں جامعہ کے وائس چانسلر پروفیسر مظہر آصف اور رجسٹرار پروفیسر محمد مہتاب عالم رضوی سمیت 1500 سے زائد اساتذہ اور



کے انصاری آڈیٹوریم کے لان انتخابات کے مطالبے پر جاری امان اور معمول کی تعلیمی سرگرمیاں عمل طے کرنا تھا۔ اجلاس میں دو حل اور انتظامیہ وطلبہ کے درمیان اکتوبر 2026 کو سات رکنی اعلیٰ کئی دنوں سے احتجاج کرنے چار دور کی گفتگو کے بعد کمیٹی نے کرنے کی اپیل کی تھی۔ اجلاس دو قراردادیں منظور کیں۔ پہلی سے اپیل کی گئی کہ وہ دھرنا ختم کیمپس میں امن ومعمولات بحال کرنے میں تعاون کریں۔ یونیورسٹی انتظامیہ کے مطابق گیٹ نمبر 18 کو احتجاج کے لیے مقرر کیا گیا تھا، جبکہ طلبہ غالب کے مجسمے کے قریب واقع لان میں احتجاج کر رہے تھے۔ دوسری قرارداد میں کیمپس کی دیواروں پر لکھے گئے قابلِ اعتراض نعروں کو مٹانے اور دیواروں پر دوبارہ رنگ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اجلاس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ یونیورسٹی کی املاک کا تحفظ اور ادارے کی ساکھ برقرار رکھنا سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ اساتذہ اور ملازمین نے کہا کہ توڑ پھوڑ، دیواروں پر قابلِ اعتراض تحریروں اور سوشل میڈیا پر پھیلائی جانے والی مبینہ گمراہ کن معلومات سے جامعہ کی شہرت متاثر ہوسکتی ہے۔ ان کے مطابق 106 سالہ تاریخی ورثے کے حامل تعلیمی ادارے کی عزت اور وقار کا تحفظ ضروری ہے۔ وائس چانسلر اور رجسٹرار کی تشویش وائس چانسلر پروفیسر مظہر آصف اور رجسٹرار پروفیسر محمد مہتاب عالم رضوی نے یونیورسٹی کی املاک پر قابلِ اعتراض نعرے لکھے جانے اور ملک کی سالمیت وخودمختاری سے متعلق مبینہ قابلِ اعتراض پیغامات پر تشویش کا اظہار کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ایسے واقعات سے جامعہ کی ساکھ کے علاوہ طلبہ کے تعلیمی مستقبل، اعلیٰ تعلیم کے مواقع اور ملازمت وپلیسمنٹ کے امکانات بھی متاثر ہو سکتے ہیں۔ 2006 سے زیرِ التوا طلبہ یونین کا معاملہ اعلیٰ سطحی کمیٹی کے اراکین نے بتایا کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ طلبہ یونین (JMISU) کو 2006 میں بار بار ہونے والی پُرتشدد جھڑپوں، اساتذہ پر حملوں اور کلاسوں میں خلل ڈالنے کے واقعات کے بعد معطل کر دیا گیا تھا۔ کمیٹی کے مطابق موجودہ انتظامیہ نے 21 اکتوبر 2026 کو طلبہ یونین کے آئین کا مسودہ تیار کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دینے کی اطلاع جاری کی۔ کمیٹی کے اراکین نے اسے ایک طویل عرصے سے زیرِ التوا معاملے کے حل کی سمت اہم پیش رفت قرار دیا۔ انتظامیہ کی جانب سے 21 اکتوبر کو ایک اور نوٹیفکیشن جاری کیے جانے کا بھی ذکر کیا گیا، جس کے مطابق 12 اکتوبر 2026 سے 21 اکتوبر کی شام 5:30 بجے تک احتجاج سے متعلق وجوہات کی بنیاد پر طلبہ کے خلاف کی گئی یا شروع کی گئی تادیبی کارروائیوں کا جائزہ لیا جائے گا۔ کمیٹی کے مطابق ان اقدامات کے باوجود طلبہ اور انتظامیہ کے درمیان مذاکرات آگے نہیں بڑھ سکے۔ اساتذہ نے مختلف سیاسی جماعتوں اور تنظیموں کے نمائندوں کو کیمپس میں مدعو کیے جانے پر بھی تشویش ظاہر کی۔ اساتذہ اور ملازمین احتجاجی مقام پر پہنچے دونوں قراردادوں کی منظوری کے بعد اساتذہ اور ملازمین انصاری آڈیٹوریم کے لان سے مارچ کرتے ہوئے گیٹ نمبر 13 اور مرکزی سڑک سے گزر کر گیٹ نمبر 7 پہنچے۔ اس کے بعد وہ احتجاجی مقام پر گئے اور طلبہ سے دھرنا ختم کرنے اور کیمپس میں معمول کی سرگرمیاں بحال کرنے کی اپیل کی۔ رپورٹ کے مطابق، تقریباً دو گھنٹے تک سمجھانے کی کوششوں کے باوجود احتجاج جاری رہا۔ اس دوران طلبہ نے اساتذہ کو واپس جانے کے لیے نعرے لگائے۔ رپورٹ میں سکیورٹی اہلکاروں، ملازمین اور اساتذہ کے ساتھ دھکم پیل کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ صورتحال معمول پر نہ آنے کے بعد اساتذہ اور ملازمین احتجاجی مقام سے واپس انصاری آڈیٹوریم لوٹ گئے۔ جامعہ کی کلاسیں آن لائن دن بھر کی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد یونیورسٹی انتظامیہ نے فوری طور پر تمام کورسز کی کلاسیں آن لائن چلانے کا نوٹیفکیشن جاری کیا۔ انتظامیہ کے مطابق یہ فیصلہ موجودہ حالات میں طلبہ کی حفاظت اور سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے کیا گیا ہے۔ طلبہ کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ آن لائن کلاسوں کے مقررہ اوقات کی پابندی کریں اور اگلے حکم تک کیمپس آنے سے گریز کریں۔ اعلان کے مطابق، آن لائن کلاسوں کے دوران یونیورسٹی کے گیٹ اور لائبریریاں بند رہیں گی۔ کیمپس میں معمول کی تعلیمی سرگرمیاں دوبارہ کب شروع ہوں گی، اس بارے میں مزید اطلاع کا انتظار ہے۔ عرفان جامیاوالا

کیا جامعہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی دھیرے دھیرے آر ایس ایس کے اثر میں آرہی ہیں؟

آخر ہندوستان کی دونوں تاریخی مسلم یونیورسٹیوں کو بار بار سیاسی تنازعات میں کیوں گھسیٹا جارہا ہے؟

تحریر: عرفان جامعہ والا

سماجی کارکن، مصنف اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق طالب علم



جامعہ ملیہ اسلامیہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی محض دو تعلیمی ادارے نہیں ہیں، بلکہ ہندوستان کی تاریخ، قومی بیداری، سماجی اصلاح اور جدید تعلیم کے اہم مراکز ہیں۔ ان اداروں نے ملک کو اساتذہ، سائنس دان، صحافی، ادیب، منتظمین اور سماجی کارکن فراہم کیے ہیں، جنہوں نے ہندوستان کی تعمیر وترقی میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ لیکن آج کئی اہم سوالات ہمارے سامنے ہیں۔ کیا ان یونیورسٹیوں کی انتظامی خودمختاری، جمہوری روایات اور تاریخی شناخت پر سیاسی دباؤ بڑھ رہا ہے؟ ان اداروں سے متعلق تنازعات بار بار قومی سیاسی بحث کا موضوع کیوں بن جاتے ہیں؟ کیا ان کے حقیقی مسائل کا حل مکالمے اور تعلیمی اصلاحات کے ذریعے تلاش کیا جارہا ہے، یا انہیں سیاسی محاذ آرائی کا حصہ بنایا جا رہا ہے؟ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق طالب علم اور سماجی کارکن کی حیثیت سے میرا ماننا ہے کہ ان سوالات پر سنجیدگی سے غور کیا جانا چاہیے۔ جامعہ میں حالیہ واقعات: طلبہ یونین کے انتخابات اور کیمپس کے تنازعات اکتوبر 2026 میں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں طلبہ یونین کے انتخابات بحال کرنے کے مطالبے پر احتجاج ہوا۔ اس تحریک کے دوران طلبہ کی نمائندگی، تادیبی کارروائیوں اور یونیورسٹی انتظامیہ کے ساتھ طلبہ کے تعلقات جیسے مسائل سامنے آئے۔ 24 اکتوبر کو جامعہ انتظامیہ نے کیمپس کی صورتِ حال کے پیش نظر اگلے حکم تک کلاسیں آن لائن کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی دوران یونیورسٹی کی دیواروں پر لکھے گئے بعض قابلِ اعتراض نعروں پر بھی تنازع پیدا ہوا۔ یونیورسٹی کے تدریسی اور غیر تدریسی عملے کے بعض نمائندوں نے ان نعروں کی مذمت کی۔ یہ واقعات ایک اہم سوال اٹھاتے ہیں: کیا طلبہ یونین کے انتخابات کا مطالبہ صرف نظم وضبط کا مسئلہ ہے، یا اسے طلبہ کی جمہوری نمائندگی اور شرکت کے وسیع تر تناظر میں بھی دیکھا جانا چاہیے؟ اگر یونیورسٹی کی دیواروں پر قابلِ اعتراض نعرے لکھے گئے ہیں تو ان واقعات کی غیر جانب دارانہ تحقیقات ہونی چاہئیں۔ کسی بھی شخص یا گروہ کو یونیورسٹی کی املاک کو نقصان پہنچانے یا قانون کی خلاف ورزی کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ لیکن چند افراد کے عمل کی بنیاد پر پوری یونیورسٹی، اس کے تمام طلبہ یا کسی مخصوص برادری کو بدنام کرنا بھی درست نہیں ہے۔ یونیورسٹی کی عزت و وقار کا تحفظ ضروری ہے، لیکن طلبہ کے جمہوری حقوق اور منصفانہ سماعت کے حق کا تحفظ بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ کیا آر ایس ایس کا اثر مسلم یونیورسٹیوں تک پہنچ رہا ہے؟ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ، یعنی آر ایس ایس، کے تعلیمی اداروں میں کردار پر ہندوستان میں طویل عرصے سے بحث ہوتی رہی ہے۔ اس معاملے کا جائزہ سیاسی الزامات یا جذبات کی بنیاد پر نہیں، بلکہ دستاویزی شواہد، تقریروں، انتظامی فیصلوں اور ادارہ جاتی طریق کار کی بنیاد پر لیا جانا چاہیے۔ فروری 2024 میں خبر رساں ادارے رائٹرز نے ایک رپورٹ شائع کی تھی، جس میں آر ایس ایس سے قریبی تعلق رکھنے والی ایک ہندو تنظیم کی جانب سے مسلم یونیورسٹیوں میں قیادت کے عہدوں پر موجود مسلم شخصیات کے ساتھ روابط قائم کرنے کی کوششوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ رپورٹ میں ان کوششوں کو مسلم ووٹروں تک سیاسی رسائی کی وسیع تر حکمت عملی سے جوڑ کر دیکھا گیا۔ یہ رپورٹ مسلم تعلیمی اداروں کے ساتھ سیاسی روابط کے حوالے سے سوالات ضرور اٹھاتی ہے، لیکن صرف اس بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ یا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی آر ایس ایس کے کنٹرول میں ہے۔ اسی طرح اپریل 2018 میں یہ خبریں سامنے آئی تھیں کہ آر ایس ایس کے کارکنوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اُس وقت کے وائس چانسلر کو خط لکھ کر کیمپس میں آر ایس ایس کی شاکھا منعقد کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ اس تجویز کی بعض طلبہ نمائندوں نے مخالفت کی تھی۔ یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے کیمپس میں آر ایس ایس کی سرگرمیوں کا معاملہ پہلے بھی بحث کا موضوع رہا ہے۔ تاہم، کسی تنظیم کی جانب سے سرگرمی کی اجازت طلب کرنا اور کسی یونیورسٹی پر کنٹرول قائم کر لینا دو بالکل الگ باتیں ہیں۔ اصل سوالات یہ ہیں: کیا یونیورسٹیوں میں تقرریاں شفاف طریقے سے اور مقررہ معیار کے مطابق ہو رہی ہیں؟ کیا انتظامی فیصلے تعلیمی قابلیت، قانون اور ادارہ جاتی خودمختاری کی بنیاد پر لیے جا رہے ہیں؟ کیا یونیورسٹیوں کے انتظامی معاملات میں سیاسی مداخلت کے قابلِ اعتماد شواہد موجود ہیں؟ کیا طلبہ اور اساتذہ کو بلا امتیاز اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقع حاصل ہے؟ ان سوالات کے جواب شواہد اور حقائق کی بنیاد پر دیے جانے چاہئیں۔ جامعہ اور علی گڑھ بار بار سیاسی تنازعات میں کیوں آتے ہیں؟ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام 1920 میں برطانوی دورِ حکومت میں قومی تعلیم اور فکری خودمختاری کے تصور کے تحت عمل میں آیا تھا۔ اس کے بانیوں نے تعلیم کو قومی بیداری اور سماجی اصلاح سے جوڑنے کی کوشش کی۔ دوسری طرف، علی گڑھ کی تعلیمی تحریک نے ہندوستانی مسلمانوں میں جدید تعلیم کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی تاریخ بھی تعلیم، سماجی تبدیلی اور قومی زندگی میں شرکت کے متعدد اہم ابواب پر مشتمل ہے۔ ان دونوں اداروں کی تاریخ موجودہ سیاسی اختلافات سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اس کے باوجود جب بھی ان یونیورسٹیوں سے متعلق کوئی تنازع سامنے آتا ہے، تو اکثر بحث کا مرکز تعلیمی کامیابیوں، تحقیق، روزگار، طلبہ کی فلاح اور ادارہ جاتی ترقی کے بجائے سیاسی الزامات بن جاتے ہیں۔ میڈیا اور سیاسی تنظیموں کو خود سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ کہیں چند واقعات کو اس انداز میں تو پیش نہیں کیا جاتا کہ یونیورسٹیوں کی مجموعی خدمات اور حقیقی مسائل پس منظر میں چلے جائیں؟ اگر کچھ افراد غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہوں تو ان کی ذمہ داری شواہد اور قانونی کارروائی کی بنیاد پر طے ہونی چاہیے۔ اگر انتظامیہ کوئی غیر مناسب فیصلہ کرتی ہے تو اسے جواب دہ ہونا چاہیے۔ اور اگر سیاسی مداخلت کے شواہد سامنے آتے ہیں تو اس کی بھی تحقیقات ہونی چاہئیں۔ کسی پوری یونیورسٹی کی شناخت کو چند تنازعات تک محدود کر دینا نہ تعلیم کے مفاد میں ہے، نہ صحافت کے اور نہ ہی جمہوریت کے۔ کیا مسلم یونیورسٹیوں کو سیاسی مقابلے کا میدان بنایا جا رہا ہے؟ یہ سوال صرف جامعہ اور علی گڑھ تک محدود نہیں، بلکہ ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں کی خودمختاری سے متعلق ہے۔ یونیورسٹیاں وہ مقامات ہیں جہاں مختلف خیالات ایک دوسرے سے ملتے، اختلاف کرتے اور ایک دوسرے کو چیلنج کرتے ہیں۔ طلبہ کو قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے حکومتی پالیسیوں کی حمایت اور مخالفت، دونوں کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ اساتذہ کو علمی رائے کے اظہار کی آزادی ہونی چاہیے، جبکہ انتظامیہ کو اپنے فیصلوں کی وضاحت کرنی چاہیے۔ کسی یونیورسٹی کو کسی سیاسی جماعت کا مرکز نہیں بننا چاہیے۔ اسی طرح کسی یونیورسٹی کو کسی مخصوص سیاسی تنظیم کی مخالفت کی علامت بنا دینا بھی مناسب نہیں۔ یونیورسٹی کی بنیادی ذمہ داری تعلیم، تحقیق، فکری آزادی، آئینی اقدار اور طلبہ کے مستقبل کا تحفظ ہے۔ اگر آر ایس ایس یا کسی دوسری سیاسی تنظیم کے اثر ورسوخ کے بارے میں خدشات سامنے آتے ہیں تو یونیورسٹی انتظامیہ کو شفافیت کے ساتھ ان کا جواب دینا چاہیے۔ دوسری جانب، الزامات لگانے والوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دعووں کے حق میں قابلِ اعتماد شواہد پیش کریں۔ یہی جواب دہی کے اصول تمام سیاسی تنظیموں پر یکساں طور پر لاگو ہونے چاہئیں۔ یونیورسٹی انتظامیہ سے پانچ اہم سوالات جامعہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی انتظامیہ، اساتذہ، سابق طلبہ اور متعلقہ اداروں کے سامنے پانچ اہم سوالات رکھے جانے چاہئیں۔ پہلا سوال: کیا تقرریوں اور اہم انتظامی فیصلوں کا طریق؟ کار شفاف ہے؟ کیا سیاسی مداخلت کے قابلِ اعتماد الزامات کی تحقیقات کے لیے آزادانہ نظام موجود ہے؟ دوسرا سوال: جامعہ میں طلبہ کی نمائندگی بحال کرنے کے لیے کیا عملی اقدامات اور واضح مدت مقرر کی گئی ہے؟ اگر قانونی یا انتظامی رکاوٹیں ہیں تو انہیں عوام کے سامنے واضح کیوں نہیں کیا جاتا؟ تیسرا سوال: قابلِ اعتراض نعروں سے متعلق واقعات کی غیر جانب دارانہ تحقیقات کس طرح کی جائیں گی؟ کیا ذمہ داری اجتماعی الزام تراشی کے بجائے شواہد کی بنیاد پر طے ہوگی؟ چوتھا سوال: کیا یونیورسٹی انتظامیہ طلبہ، اساتذہ، سابق طلبہ اور سماجی نمائندوں کے ساتھ باقاعدہ مکالمہ کرتی ہے، تاکہ اختلافات بڑھنے سے پہلے ان کا حل نکالا جا سکے؟ پانچواں سوال: کیا ان یونیورسٹیوں کی تعلیمی آزادی اور تاریخی شناخت کے تحفظ کے لیے واضح اصول موجود ہیں، جن کا اطلاق ہر سیاسی جماعت اور نظریاتی تنظیم پر یکساں طور پر ہوتا ہے؟ ان سوالات کا مقصد کسی کو پہلے سے قصوروار قرار دینا نہیں، بلکہ جواب دہی، ادارہ جاتی اعتماد اور جمہوری شرکت کو مضبوط بنانا ہے۔ سابق طلبہ کی ذمہ داری کیا ہے؟ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق طالب علم کی حیثیت سے میرا ماننا ہے کہ کسی یونیورسٹی سے تعلق صرف ڈگری حاصل کرنے تک محدود نہیں ہوتا۔ اس کی تاریخ، ساکھ اور وہاں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کا مستقبل بھی ہماری مشترکہ ذمہ داری ہے۔ سابق طلبہ کو اپنے اداروں کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ انتظامیہ کے ہر فیصلے کی حمایت کریں۔ اسی طرح، انتظامیہ پر تنقید کرنے کا مطلب یہ بھی نہیں کہ یونیورسٹی کی ساکھ کو نقصان پہنچانے والی ہر سرگرمی کا دفاع کیا جائے۔ ہمیں ایسا ماحول پیدا کرنا ہوگا جہاں طلبہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرسکیں، اساتذہ بلا خوف تعلیم دے سکیں، انتظامیہ غیر جانب دارانہ فیصلے کر سکے اور سیاسی تنظیمیں قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی بات رکھ سکیں۔ مسلم معاشرے کے دانش وروں، سماجی کارکنوں، صحافیوں اور سابق طلبہ کو صرف تنازعات کے وقت سرگرم ہونے کے بجائے تعلیم کے معیار، وظائف، روزگار، تحقیق اور ادارہ جاتی اصلاحات کے لیے بھی مسلسل کام کرنا چاہیے۔ جامعہ اور علی گڑھ کی اصل پہچان ان کی تعلیمی کامیابیوں اور معاشرے کے لیے ان کی خدمات سے ہونی چاہیے۔ نتیجہ: الزام نہیں، ثبوت؛ تصادم نہیں، جواب دہی ہندوستان کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ کیا اس کی یونیورسٹیاں آزادانہ فکر، معیاری تعلیم اور جمہوری مکالمے کے لیے مناسب مواقع فراہم کر رہی ہیں۔ جامعہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پر آر ایس ایس کے ممکنہ اثر ورسوخ سے متعلق خدشات پر بحث کرنا جمہوری حق ہے۔ لیکن معتبر شواہد کے بغیر ان خدشات کو ثابت شدہ حقیقت کے طور پر پیش نہیں کیا جانا چاہیے۔ اسی طرح، متنازع نعروں یا کیمپس میں احتجاج کی بنیاد پر تمام طلبہ کو قصوروار قرار دینا یا پوری یونیورسٹی کو بدنام کرنا بھی درست نہیں۔ غیر جانب دارانہ تحقیقات، انتظامی جواب دہی اور طلبہ کے حقوق کا تحفظ ضروری ہے۔ میری آر ایس ایس سمیت تمام سیاسی اور نظریاتی تنظیموں سے توقع ہے کہ وہ تعلیمی اداروں کی خودمختاری اور قانون کا احترام کریں۔ یونیورسٹی انتظامیہ کو بھی شفافیت، غیر جانب داری اور بامعنی مکالمے کے ذریعے عوام کا اعتماد مضبوط کرنا چاہیے۔ جامعہ اور علی گڑھ کسی سیاسی گروہ کی جاگیر نہیں، بلکہ ہندوستان کے تعلیمی ورثے کا حصہ ہیں۔ ان کا تحفظ دراصل تعلیمی آزادی، جمہوری حقوق اور آئینی اقدار کا تحفظ ہے۔ ملک کو ان یونیورسٹیوں کے بارے میں صرف تنازعات کی خبریں نہیں، بلکہ ان کے طلبہ کی کامیابیوں، تحقیق، سماجی خدمات اور مستقبل کے امکانات کے بارے میں بھی سننا چاہیے۔ سوال اٹھانا ضروری ہے، لیکن ان کے جواب حقائق کی بنیاد پر ملنے چاہئیں۔ یہی جمہوریت کی طاقت اور کسی بھی یونیورسٹی کے وقار کا حقیقی معیار ہے۔ عرفان جامعہ والا سماجی کارکن، مصنف اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق طالب علم

آل انڈیا پروفیشنل کانگریس کے چیئرمین مقرر ہونے پر ایڈوکیٹ مومن روشن ضمیر کی جانب سے مدھو یشکی گوڑ صاحب کو مبارکباد اور گلدستہ پیش





تلنگانہ پردیش کانگریس کمیٹی (TPCC) کے لیگل سیل (قانون، انسانی حقوق اور آر ٹی آئی ڈپارٹمنٹ) کے ریاستی جنرل سکریٹری اور انچارج سوشل میڈیا، نیز حکومتِ تلنگانہ کی حیدرآباد وقف پروٹیکشن اینڈ کوآرڈینیشن کمیٹی کے رکن، ایڈوکیٹ مومن روشن ضمیر نے آل انڈیا پروفیشنل کانگریس کے چیئرمین مقرر ہونے پر مدھو یشکی گوڑ صاحب کو دلی مبارکباد پیش کی اور گلدستہ پیش کرکے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ پونم اشوک گوڑ صاحب، چیئرمین لیگل سیل TPCC – اور ممبر، بار کونسل آف تلنگانہ، کی قیادت میں 24 اکتوبر 2026 کو گاندھی بھون، اندرا بھون، حیدرآباد میں منعقدہ لیگل سیل TPCC – کے ریاستی عاملہ اجلاس کے موقع پر یہ پروگرام منعقد ہوا۔ اس موقع پر ایڈوکیٹ مومن روشن ضمیر کے ساتھ ٹیم کے ارکان پدماوتی، جانھوی، عمر، نشرہ، فرحان، حمزہ، راضیہ اور انجم نے بھی مدھو یشکی گوڑ صاحب کو مبارکباد پیش کی اور ان کی نئی ذمہ داری کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ انہوں نے اس اعتماد کا اظہار کیا کہ مدھو یشکی گوڑ صاحب کی قیادت میں آل انڈیا پروفیشنل کانگریس تنظیمی طور پر مزید مضبوط ہوگی اور کانگریس پارٹی میں پیشہ ور افراد کی شرکت کو فروغ دینے اور ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے اہم کردار ادا کرے گی۔

تزکیہ اور نفسیات: انسان کی اصلاح کے دو زاویے



ایس امین الحسن

سوال: آپ نے ایک دہائی تک قرآن مجید کی مکمل تفسیر پیش کرنے کا کام کیا اور آپ کئی دہائیوں سے ماہرِ نفسیات اور کونسلر (Counselor) کی حیثیت سے بھی کام کر رہے ہیں۔ جب آپ تربیتِ انسان کے موضوع پر غور کرتے ہیں تو یہ دونوں زاویے کہاں ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور کہاں مختلف ہو جاتے ہیں؟ اور یہ دونوں مل کر ایک دوسرے کی کس طرح مدد کر سکتے ہیں؟

جواب: میرے نزدیک تزکیہ اور نفسیات دونوں کا بنیادی تعلق انسان کی اصلاح اور اس کی شخصیت کو سنوارنے سے ہے۔ دونوں ایک مشترک مقام پر آتے ہیں اور وہ ہے "انسان کی شخصیت کی تعمیر و نشوونما"۔

تزکیہ ایک قرآنی اصطلاح ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تھا۔ اس کے بنیادی طور پر دو پہلو ہیں: نفس کی پاکیزگی اور شخصیت کی نشوونما۔

دوسری طرف نفسیات نے مغرب میں ایک ایسے دور میں ترقی کی جب کلیسا اور ریاست کے درمیان کشمکش جاری تھی۔ اس کے نتیجے میں سیکولرازم کا تصور سامنے آیا، جس میں مذہب کو فرد کا ذاتی معاملہ سمجھا گیا۔ چناں چہ علوم کی ترقی ایسے ماحول میں ہوئی، جہاں خالق کے وجود اور اس کے مقام کو بنیادی طور پر نظرانداز کیا گیا اور انسان کو روح رکھنے والی ہستی کے بجائے زیادہ تر ایک مشین کے طور پر سمجھا جانے لگا۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں تزکیہ اور جدید نفسیات کے راستے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔

قرآن انسان کی نشوونما اور اس کی شخصیت کی تعمیر کے لیے الٰہی ہدایت کی روشنی میں بنیادی اصول فراہم کرتا ہے، جب کہ نفسیات ہمیں جذباتی مسائل کو سمجھنے اور ان سے نمٹنے کے عملی طریقے دیتی ہے۔ مثلاً غصہ، خوف، اداسی، نفرت، تکبر اور خود پسندی جیسے جذبات کو سمجھنے میں نفسیات مدد دیتی ہے۔

قرآن ہمیں تقویٰ، ایمان، احسان اور صبر جیسی صفات پیدا کرنے کا راستہ دکھاتا ہے، جب کہ نفسیات ہمیں عادتیں بننے کے عمل، ذہنی صدمات، محرکات، خود کے بارے میں تصور اور انسان کی نشوونما کے مختلف مراحل کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

آپ کی معلومات کے لیے عرض ہے کہ میں نے تقریباً بیس سال پہلے اسی موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ اس کا اصل اردو عنوان "نفس کا تزکیہ، فرد کا ارتقا" ہے۔ اس کتاب میں میں نے انسانی نشوونما اور نفسی و اخلاقی ارتقا کو قرآن کے نقطۂ نظر اور عملی نفسیات دونوں پہلوؤں سے زیرِ بحث لانے کی کوشش کی ہے۔

سوال: آپ نے بچوں کی نشوونما اور شخصیت سازی کے مختلف مراحل کے بارے میں بات کی ہے۔ ہر مرحلے میں بچوں کی تربیت کا انداز کس طرح بدلنا چاہیے؟ اور والدین عموماً کس عمر میں کس طرح کی تربیت اختیار کر کے غلطی کر بیٹھتے ہیں؟

جواب: یہ ہمیشہ سے میرے پسندیدہ موضوعات میں سے ایک رہا ہے۔ میں والدین اور اساتذہ کو بچوں کی نشوونما اور بالخصوص ارتقائی نفسیات کے حوالے سے باقاعدہ تربیت دیتا ہوں اور بچوں کی نشوونما ہمیشہ سے میری دلچسپی کا ایک اہم میدان رہی ہے۔

بچے اپنی زندگی میں مختلف مراحل سے گزرتے ہیں اور ہر مرحلے میں وہ نئی مہارتیں، صلاحیتیں، عادات اور سوچنے کے مختلف انداز سیکھتے اور اپناتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ہر عمر اپنے ساتھ کچھ ایسی عادتیں اور تخصیصی اوصاف پیدا کرنے کے امکانات بھی رکھتی ہے، جو آگے چل کر ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

ابتدائی بچپن میں والدین کی بنیادی توجہ جذباتی تعلق مضبوط کرنے پر ہونی چاہیے۔ بچوں کو لوریاں سنانا، کہانیاں سنانا، ان کے ساتھ کھیلنا اور انھیں یہ احساس دلانا کہ وہ محفوظ اور محبوب ہیں، اس مرحلے کی بنیادی ضرورت ہے۔

سات سال سے کم عمر بچوں کے مرحلے میں، جب ان کی سوچ ابھی ابتدائی سطح پر ہوتی ہے، ان میں بات ماننے کی عادت پیدا کرنا ضروری ہے۔ انھیں بہت زیادہ انتخاب نہیں دینا چاہیے اور نہ ہی ہر بات سمجھانے کے لیے طویل لیکچر دینا چاہیے۔ بس سادہ انداز میں کہنا کافی ہے: "اپنا کمرہ صاف کرو"، "اب نماز کا وقت ہے" یا "نہانے کے بعد کھانا کھائیں گے۔"

بچے والدین کی باتیں سن کر جتنا نہیں سیکھتے، اس سے کہیں زیادہ انھیں دیکھ کر سیکھتے ہیں۔ اس لیے والدین کو خود وہ نمونہ بننا چاہیے جس کی پیروی وہ اپنے بچوں سے چاہتے ہیں۔

بچپن کے درمیانی مرحلے میں نماز، صفائی، احترام، ذمے داری اور نظم و ضبط جیسی عادات پختہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ وہ عمر ہے جب اقدار بچے کی شخصیت میں جڑ پکڑتی ہیں۔ اس لیے اس مرحلے میں محض احکامات دینے کے بجائے اقدار اور کردار کی تشکیل پر توجہ ہونی چاہیے۔

بلوغت سے پہلے اور بعد میں تربیت کا انداز مزید بدل جاتا ہے۔ بلوغت سے پہلے بچے عام طور پر نسبتاً آسانی سے بات مان لیتے ہیں، لیکن بلوغت کے بعد ان کا سوال کرنا اور کبھی کبھی بغاوت پر آمادہ ہونا بھی فطری ہے۔ وہ مذہب اور روایات کے بارے میں سوالات اٹھاتے ہیں، نئے خیالات جاننا چاہتے ہیں، تعلقات اور جنسی معاملات کے بارے میں زیادہ متجسس ہو جاتے ہیں اور بری صحبت کے زیرِ اثر بعض ناپسندیدہ عادات بھی اختیار کر سکتے ہیں۔

اس مرحلے میں والدین کو بھی اپنا انداز بدلنا چاہیے۔ نوعمر بچوں کو واضح حدود کے اندر بہ تدریج زیادہ خود مختاری اور آزادی دینی چاہیے۔ انھیں انتخاب کے مواقع دیں، اپنی ہدایات اور توقعات کی وجوہ سمجھائیں۔ اگر وہ اختلاف کریں تو ان کی بات سنیں اور ان کے نقطۂ نظر کا احترام کریں۔ اس عمر میں مسلسل تنقید سے زیادہ انھیں قبولیت اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ انھیں خان دان سے جذباتی طور پر جوڑے رکھنا ان کی صحت مند نشوونما میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔

بلوغت کے بعد حکم دینے کا انداز رفتہ رفتہ گفتگو، باہمی مشورے اور دلیل سے سمجھانے میں بدلنا چاہیے۔ والدین کو نوجوانوں کو یہ سمجھانے میں مدد کرنی چاہیے کہ ان سے کسی خاص رویے کی توقع کیوں کی جا رہی ہے۔

والدین کی ایک عام غلطی یہ ہے کہ وہ چھوٹے بچوں کو بہت زیادہ لیکچر دیتے ہیں اور نوعمر بچوں کو بہت زیادہ کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالاں کہ اس کے برعکس ہونا چاہیے۔ جیسے ہی بچے جسمانی بلوغت کو پہنچتے ہیں، والدین ان سے ایک بالغ انسان کی طرح رویے کی توقع کرنے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے خان دانوں میں نوعمری کا دور والدین کے لیے سب سے مشکل مرحلہ بن جاتا ہے۔

سوال: آج ہندستان کے بیشتر اسکولوں، حتیٰ کہ بہت سے اسلامی تعلیمی اداروں میں بھی تعلیم کا مقصد زیادہ تر معلومات منتقل کرنا رہ گیا ہے، شخصیت اور کردار سازی نہیں۔ تعلیمی ٹرسٹس کے ساتھ آپ کے تجربے کی روشنی میں اگر نصاب اور اسکول کا روزمرہ نظام محض تعلیم دینے کے بجائے تربیت کو مرکز بنا کر ترتیب دیا جائے تو اس کی صورت کیا ہوگی؟

جواب: زیادہ تر والدین اور اسکول انتظامیہ تربیت کو تعلیم کا ایک اضافی یا غیر نصابی حصہ سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہوتا ہے کہ ایک اخلاقیات کی کلاس رکھ دی جائے، دن کا آغاز قرآنِ مجید کی تلاوت سے کر دیا جائے، کبھی میلاد کا پروگرام کر لیا جائے، کسی موقع پر کسی مولانا کو خطاب کے لیے بلا لیا جائے یا طلبہ کو چند کلمے اور دعائیں یاد کروا دی جائیں تو تربیت کا حق ادا ہو گیا۔ یہ دراصل تصورِ تربیت کو ہی بنیادی طور پر غلط سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

اسلام محض اس مفہوم میں ایک مذہب نہیں جس میں اسے عام طور پر سمجھا جاتا ہے، بلکہ قرآن اسے ایک مکمل نظامِ زندگی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ قرآن انسان کو کائنات پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ وہ سورج اور چاند، دن اور رات، نیند کے نظام، پانی کے چکر، پہاڑوں، پھولوں، پھلوں، ہوا اور خلا جیسی چیزوں پر توجہ دلاتا ہے۔ وہ صرف کائنات کے مطالعے ہی کی دعوت نہیں دیتا بلکہ تاریخ کے صفحات پڑھنے اور ان اصولوں کو سمجھنے کی ترغیب بھی دیتا ہے، جن کے تحت قومیں عروج اور زوال سے دوچار ہوتی ہیں۔

بالآخر ان سب کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو سمجھے، کائنات کی حقیقت کو پہچانے اور اپنے خالق کی حمد و تسبیح کرے۔

اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اسکول کو ایسی ہی سوچنے والی، مشاہدہ کرنے والی اور اقدار سے وابستہ شخصیت تیار کرنے پر توجہ دینی چاہیے۔

ہر اسکول کے تین بنیادی حصے ہوتے ہیں: بنیادی نصاب، ہم نصابی سرگرمیاں اور غیر نصابی سرگرمیاں۔ بنیادی نصاب تو متعلقہ تعلیمی ضوابط کے مطابق پڑھانا ہی ہوگا، لیکن اصل موقع ہم نصابی سرگرمیوں میں موجود ہے۔ یہاں اسکول انتظامیہ کو شعوری طور پر ہر مضمون کو کائنات کی اعلیٰ حقیقت سے جوڑنا چاہیے اور طلبہ کو اپنی شخصیت کا بہترین روپ بننے میں مدد دینی چاہیے۔

ریاضی، طبیعیات، کیمیا اور حیاتیات جیسے مضامین طلبہ میں کائنات کی پیچیدگی اور اس کے نظم و ضبط کا احساس پیدا کریں۔ ادب اس انداز سے پڑھایا جائے کہ وہ انسان کے اندر کا ضمیر بیدار کرے اور اقدار و اخلاق پر مبنی تہذیب کی تعمیر میں کردار ادا کرے۔ کھیل طلبہ میں نظم و ضبط، ثابت قدمی، اجتماعی تعاون اور ایک مضبوط مومن کی صفات پیدا کرے۔ سماجی علوم ذمے دار انسانوں کی تربیت اور صحت مند معاشرے کی تشکیل میں معاون ہوں۔ تاریخ میں ایسی شخصیات سے متعارف کرایا جائے، جنھوں نے انسانیت کی بھلائی میں کردار ادا کیا اور ساتھ ہی طلبہ کو یہ بھی سمجھایا جائے کہ نفرت، استحصال، ناانصافی اور جنگ کے کیا نتائج نکلتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ رہنمائی کے حلقے، سماجی خدمت کے مواقع، طلبہ کو ذمے داریاں سونپنا، باہمی تعاون، خاموشی سے غور و فکر کے مواقع اور اساتذہ و طلبہ کے درمیان احترام پر مبنی تعلق بھی تعلیمی نظام کا حصہ ہونا چاہیے۔

تربیت کوئی غیر نصابی سرگرمی نہیں؛ بلکہ یہی تعلیم کی اصل روح ہے۔

سوال: بہ حیثیت کونسلر آپ ہندستان کے موجودہ تعلیمی ماحول کے نفسیاتی اثرات کو قریب سے دیکھتے ہیں، خصوصاً بچوں میں بے چینی، بہتر کارکردگی دکھانے کا دباؤ اور اپنی شناخت کے بارے میں الجھن۔ آپ کو سب سے زیادہ کون سے مسائل نظر آتے ہیں؟ اور خان دان اور تعلیمی ادارے عموماً ان مسائل کو سمجھنے میں کس طرح کی غلطی کرتے ہیں؟

جواب: سب سے پہلے میں آج کے تعلیمی ماحول میں بچوں کو درپیش چند نفسیاتی مسائل کا ذکر کرنا چاہوں گا، خاص طور پر وہ دباؤ جس میں آج کے بچوں سے کارکردگی کی توقع کی جاتی ہے۔ ان پر تین طرح کا دباؤ ہوتا ہے: ایک اسکول کی طرف سے، دوسرا والدین کی طرف سے اور تیسرا خود ان کی اپنی طرف سے جب وہ اپنی صلاحیت اور استعداد سے بڑھ کر اہداف مقرر کر لیتے ہیں۔ نتیجتاً آج طلبہ میں بے چینی، ڈپریشن اور اس نوعیت کے دیگر نفسیاتی مسائل تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سے بچے آج شناخت کے بحران، ہر وقت دوسروں سے اپنا موازنہ کرنے، ذہنی بوجھ، گیجٹ کی لت، سوشل میڈیا پر مسلسل اسکرولنگ، جذباتی تنہائی اور اپنی قدر و قیمت کو صرف کارکردگی سے وابستہ کرنے جیسے مسائل کا شکار ہیں۔

مجھے ایک ایسی لڑکی یاد ہے، جس نے بارھویں جماعت مکمل کی تھی اور اس کے والد نے اسے راجستھان میں NEET کی تیاری کے لیے کوچنگ میں داخل کرا دیا تھا۔ اس کے والد خلیج میں ملازمت کرتے تھے۔ وہ لڑکی میرے پاس کونسلنگ کے لیے آئی۔ دوران کونسلنگ میں نے اس کے والد سے بھی بات کی۔ وہ ایک سخت مزاج والد تھے اور سمجھتے تھے کہ انھوں نے اپنی بیٹی کے لیے جو کچھ کیا ہے، اس کے بدلے اسے بھی بہترین کارکردگی دکھانی چاہیے۔ ان کی خواہش تھی کہ بیٹی ڈاکٹر بنے، حالاں کہ اسے طب کے شعبے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

والد اپنی رائے بدلنے پر آمادہ نہیں ہوئے اور بیٹی نے بھی مجبوری میں کوچنگ شروع کر دی۔ وہ دو سال تک شدید مشکلات کا شکار رہی۔ اس کی طبیعت بہت خراب ہو گئی اور بالآخر والدین کو اسے کوچنگ سے نکالنا پڑا۔ بعد میں اس نے اپنی پسند کے ایک عام انڈر گریجویٹ پروگرام میں داخلہ لیا، جہاں اس نے نہیں بہتر کارکردگی دکھائی اور اسے ذہنی اطمینان بھی حاصل ہوا۔

ایک اور واقعہ مجھے ایک ایسے لڑکے کا یاد آتا ہے، جو اپنے والد کے انتہائی سخت رویے کی وجہ سے جذباتی طور پر بالکل مفلوج ہو چکا تھا۔ وہ شدید ڈپریشن میں مبتلا تھا۔ کونسلنگ کے دوران وہ نہ معمول کے مطابق بول پا رہا تھا اور نہ ہی اس کی آواز میں کوئی توانائی تھی۔ اس کی والدہ اس کے ساتھ آئی تھیں۔ وہ رو پڑیں اور بتایا کہ ان کے شوہر چاہتے ہیں کہ ان کا بیٹا بہ یک وقت کئی مختلف چیزیں بنے۔

پھر انھوں نے فون پر میری بات اپنے شوہر سے کروائی۔ وہ دوسری طرف سے چیخ رہے تھے کہ انھوں نے اپنے بیٹے پر بہت پیسہ خرچ کیا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ بیٹا حافظ بنے، لیکن دو سال گزرنے کے باوجود اس نے پانچ پارے بھی مکمل نہیں کیے تھے۔ پھر انھوں نے اسے پبلک اسپیکنگ کے کورس میں داخل کرایا، جہاں وہ اچھی کارکردگی نہیں دکھا سکا۔ اس کے بعد ان کی خواہش تھی کہ وہ ڈاکٹر بنے، حالاں کہ NEET کی کوچنگ میں بھی وہ مسلسل مشکلات کا شکار تھا۔ ذرا تصور کیجیے کہ وہ بچہ کس قدر دباؤ میں زندگی گزار رہا تھا اور کس شدید نفسیاتی صدمے سے گزر رہا تھا!

اکثر خان دان ان مسائل کو سستی، نافرمانی، پڑھائی میں عدم دلچسپی یا موبائل کی لت سمجھ لیتے ہیں۔ تعلیمی ادارے بھی انھیں عموماً نظم و ضبط کا مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ ان بچوں میں سے بہت سے اندر ہی اندر دباؤ میں ہوتے ہیں۔ ان کی بات نہیں سنی جاتی۔ وہ خوف زدہ رہتے ہیں یا پھر خود اپنی شناخت کے بارے میں الجھن کا شکار ہوتے ہیں۔

تربیت کا بنیادی فلسفہ ہمیں اپنی توجہ "رکھنے" سے "بننے" کی طرف منتقل کرنے کا درس دیتا ہے۔ "رکھنے" سے مراد ڈگریاں، بینک بیلنس، مہنگی گاڑیاں، خوب صورت گھر اور محفوظ ملازمتیں ہیں۔ اس کے برعکس "بننے" کا مطلب یہ ہے کہ انسان وہ شخصیت بنے، جس کا تصور قرآن پیش کرتا ہے مثلاً سچا، مہربان، رحم دل، دوسروں کا سہارا بننے والا، سخاوت کرنے والا اور اخلاقی اصولوں پر قائم رہنے والا۔

تربیت کا تعلق اس بات سے نہیں کہ انسان کے پاس کیا ہے، بلکہ اس بات سے ہے کہ وہ کیا بن گیا ہے۔

سوال: چوں کہ یہ خواتین کا رسالہ ہے، اس لیے نوجوان لڑکیوں کے مسائل پر بھی بات کرتے ہیں۔ بہ حیثیت کونسلر آپ کے تجربے میں ہمارے معاشرے میں نوجوان لڑکیوں اور خواتین کو کن بڑے مسائل کا سامنا ہے، خصوصاً وہ مسائل جو ان کی تربیت اور سماجی ماحول سے پیدا ہوتے ہیں؟ اور ان کا حل کیا ہے؟

جواب: نوجوان لڑکیوں کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے اور ان میں ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ان کی بات نہیں سنی جاتی اور انھیں اپنی تعلیم، کیریئر اور زندگی کے اہم فیصلے خود کرنے کی مناسب آزادی نہیں دی جاتی۔

بہت سی نوجوان خواتین ایسے ازدواجی رشتوں میں بھی پھنس جاتی ہیں، جو ان کے لیے تکلیف دہ اور نقصان دہ ہوتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ میڈیا اکثر نوجوان مردوں کی ذہن سازی اس انداز میں کرتا ہے کہ وہ عورت کو ایک مکمل انسان کے بجائے محض ایک جسم یا ایک شے کے طور پر دیکھنے لگتے ہیں، جس کے اپنے جذبات، خواہشات اور شخصیت ہوتی ہے۔ نتیجتاً بہت سے شوہر اپنی بیویوں کی جذباتی ضروریات کو نظرانداز کرتے ہیں۔ کئی خواتین صرف اپنے بچوں کی خاطر ایسے رشتے کو برداشت کرتی رہتی ہیں۔

مجھے ایک نوجوان خاتون یاد آتی ہیں، جو اپنی ازدواجی زندگی سے شدید پریشان ہو کر میرے پاس کونسلنگ کے لیے آئیں۔ ان کے شوہر فحش مواد دیکھنے کے عادی تھے اور ایک صحت مند ازدواجی تعلق قائم کرنے میں ان کی کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ انھوں نے اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکیں۔ شوہر کم تعلیم یافتہ تھے اور معمولی نوعیت کی ملازمت کرتے تھے، اس لیے انھیں کونسلنگ کے لیے آمادہ کرنا بھی تقریباً ناممکن تھا۔

اس خاتون کا ایک پانچ سالہ بچہ تھا۔ وہ خود کو دو انتہائی تکلیف دہ راستوں کے درمیان پھنسا ہوا محسوس کرتی تھیں۔ ایک راستہ یہ تھا کہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائیں اور بچے کی خاطر ایک بے حس اور بے محبت رشتے میں زندگی گزارتی رہیں، کیوں کہ انھیں یہ خوف بھی تھا کہ طلاق کی صورت میں ان کی چھوٹی بہنوں کے رشتوں پر برا اثر پڑے گا۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ اپنے لیے ایک مشکل فیصلہ کرنے کی ہمت پیدا کریں۔ بالآخر اپنے والدین کی حمایت سے انھوں نے اس رشتے سے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں آج بھی بہت سی لڑکیوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ خاموش رہیں، کم اظہار کریں اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے سے گریز کریں۔ یہاں تک کہ جب کوئی چیز انھیں اندر سے شدید تکلیف پہنچا رہی ہوتی ہے تب بھی انھیں خدمت، سمجھوتے، قربانی اور خاموشی کا درس دیا جاتا ہے۔

بہت سی لڑکیاں اپنی ذات کے بارے میں احساس کم تری، جسمانی ساخت کے حوالے سے عدم اطمینان، لوگوں کے فیصلے کا خوف، احساسِ جرم، جذبات کو دبا کر رکھنے، کیریئر کے بارے میں غیر واضح سوچ اور صحت مند حدود قائم کرنے میں دشواری جیسے مسائل کا شکار رہتی ہیں۔ کچھ لڑکیوں پر حد سے زیادہ پابندیاں ہوتی ہیں، جب کہ کچھ جذباتی طور پر بالکل نظرانداز کر دی جاتی ہیں۔

اس کا حل نہ تو اندھی فرماں برداری ہے اور نہ ہی بغاوت۔ حل درست تربیت ہے۔ لڑکیوں کو مناسب حد تک انتخاب کی آزادی دینی چاہیے اور انھیں اعتماد اور ذمے داری نبھانے کے مواقع ملنے چاہییں۔ حیا کو محض بیرونی پابندیوں کے ذریعے نافذ نہیں کیا جانا چاہیے، بلکہ تربیت کے ذریعے اسے ایک اندرونی قدر اور شعوری رویے کے طور پر پروان چڑھانا چاہیے۔

مجھے ایک اور والد یاد آتے ہیں، جو اپنی بیٹی کو میرے پاس اس شکایت کے ساتھ لائے کہ وہ پردہ نہیں کرتی۔ جب میں نے اس لڑکی سے ملاقات کی تو وہ ایک لمبا کوٹ اور اسکارف پہنے ہوئے تھی۔ اسلامی نقطۂ نظر سے مجھے اس کے لباس میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جسے مسئلہ بنایا جائے۔ خود اس لڑکی نے قرآن کی آیات پیش کیں اور بتایا کہ وہ قرآن کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ گفتگو کے اختتام پر اس کے والد نے قدرے سخت لہجے میں کہا: "نہیں، میری اصل تشویش یہ نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کالی برقع پوشی کرے۔"

یہاں مجھے اکثر نسلوں کے درمیان پیدا ہونے والا ایک بڑا فرق نظر آتا ہے۔ بعض اوقات نوجوان اسلام کے خلاف بغاوت نہیں کر رہے ہوتے، بلکہ ان ثقافتی توقعات کے خلاف ردِ عمل دے رہے ہوتے ہیں جنھیں مذہبی تقاضوں کے طور پر ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر والدین کو اپنے بچوں کو وہ گنجائش دینی چاہیے، جس کی خود اسلام اجازت دیتا ہے۔ میرے نزدیک یہی حقیقی تربیت ہے۔

سوال: آپ کی تحریروں اور گفتگو کا ایک اہم موضوع نیک اور صالح بچوں اور بڑوں پر مشتمل گھر اور معاشرہ تشکیل دینا رہا ہے۔ اگر ہندستان میں ایسا تعلیمی نظام قائم کیا جائے جس کی بنیاد محض معلومات کی ترسیل کے بجائے تربیت پر ہو، تو وہ کیسا ہوگا؟ اور ہمارا موجودہ نظام اس تصور سے کتنا دور ہے؟

جواب: اس وقت ہندستان کا تعلیمی نظام بنیادی طور پر اچھے انسان پیدا نہیں کر رہا۔ اس کے بجائے وہ مارکیٹ کے لیے افرادی قوت اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے لیے اعلیٰ مہارت رکھنے والے پیشہ ور افراد تیار کر رہا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا صرف اتنا کافی ہے؟

اپنے ملک میں پھیلی ہوئی برائیوں کو دیکھیے۔ بدعنوانی، رشوت، عصمت دری، قتل، فرضی پولیس مقابلے، فرقہ وارانہ تعصب، قانون کا انتخابی استعمال، مساجد اور مسلم برادری کے افراد کے گھروں کو بلڈوزر سے منہدم کرنا۔ کیا یہ سب صرف ان لوگوں کے ہاتھوں ہوتا ہے جو تعلیم یافتہ نہیں؟ ہرگز نہیں۔ ان میں بہت سے لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہماری تعلیم نے انھیں اقدار نہیں دیں اور بہت سے معاملات میں مذہب کے سامنے جواب دہی کا احساس بھی پیدا نہیں کیا۔

اپنے اردگرد کی سیاسی ثقافت کو دیکھیے۔ مفادات کی خاطر وفاداریاں بدلنا، ووٹوں کی خرید و فروخت اور سیاسی جماعتوں کو توڑنا۔ آخر یہ سب کیوں ہوتا ہے؟ بعض لوگ جیسے ہی اپنی سیاسی وابستگی تبدیل کرتے ہیں، یوں لگتا ہے جیسے کسی استعارہ نما "واشنگ مشین" سے نکل کر اچانک پاک صاف ہو گئے ہوں۔ بنیادی مسئلہ یہی ہے کہ ہمارا تعلیمی نظام نہ اقدار پیدا کرتا ہے اور نہ اصول پسند انسان تیار کرتا ہے۔

جب آپ کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں، جس میں دیانت داری ہو، جس کا ضمیر زندہ ہو، جو انصاف پسند اور غیر جانب دار ہو اور حق و انصاف پر مضبوطی سے قائم رہے، تو اکثر اس کردار کی تشکیل میں تعلیمی نظام کا کردار بہت کم ہوتا ہے۔ زیادہ تر ایسے لوگوں کو ان کی گھریلو تربیت، اخلاقی پرورش اور اندر کا زندہ ضمیر ذاتی یا مالی مفاد پر اقدار کو ترجیح دینے کے قابل بناتا ہے۔

میں کئی مرتبہ جاپان جا چکا ہوں۔ جاپانی معاشرے کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہاں کے تعلیمی نظام نے ایسے باادب، منکسر المزاج اور قانون کی پابندی کرنے والے شہریوں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے جو دوسروں کا خیال رکھتے ہیں اور جہاں بھی کام کرتے ہیں، مضبوط اقدار کو قائم رکھتے ہیں۔ ان کی تعلیم نے شعوری طور پر ان اوصاف کو پروان چڑھایا ہے۔ اسی طرح دنیا میں کئی ایسے ممالک بھی ہیں، جہاں تعلیم کا مقصد صرف ماہر پیشہ ور افراد تیار کرنا نہیں بلکہ اچھے انسان بنانا بھی ہے۔

ہمارا تعلیمی نظام ایسا ہونا چاہیے کہ طلبہ کلاس روم میں جو کچھ سیکھیں، اسے کائنات کی اعلیٰ حقیقت سے جوڑ سکیں۔ وہ روحانی شعور رکھنے والے ایسے انسان بنیں جو اقدار، اخلاق اور اصولوں کو اہمیت دیتے ہوں۔ انھیں ذمے دار شہری بننے کی تربیت دی جائے، دوسرے انسانوں کے لیے ہمدردی پیدا کی جائے اور محض دولت جمع کرنے یا آسائش بھری زندگی کے حصول کے بجائے انسانیت کی خدمت کو زیادہ بلند مقصد سمجھنے کی ترغیب دی جائے۔

تعلیم میں ہندستان کی گوناگوں تہذیبی اور مذہبی تنوع کا احترام بھی سکھایا جانا چاہیے۔ طلبہ مختلف مذاہب اور ثقافتوں کا احترام کرنا سیکھیں اور اپنے سے مختلف لوگوں کے ساتھ مثبت اور تعمیری انداز میں پیش آنے کے قابل ہوں۔ انھیں ایک پیچیدہ دنیا کا سامنا کرنے کے لیے علم، حکمت، اقدار اور عملی مہارتوں سے آراستہ کیا جانا چاہیے۔

آج ہمارا تعلیمی نظام بڑی حد تک امتحانات اور معلومات رٹنے کے گرد گھومتا ہے۔ اس کے بجائے اسے اچھے انسان بنانے اور ان کی شخصیت کو سنوارنے کا مرکز بننا چاہیے۔ میرے نزدیک یہی تعلیم کا حقیقی مقصد ہے۔

سوال: ایک معروف تصور یہ ہے کہ استاد اپنے طلبہ میں وہ خوبی پیدا نہیں کر سکتا، جسے اس نے خود اپنی ذات میں پیدا نہ کیا ہو۔ یعنی تربیت کے لیے پہلے استاد کا اپنا تزکیہ ضروری ہے۔ آج کے اسکولوں اور مدارس میں، جہاں تدریس اکثر محض ایک ملازمت بن کر رہ گئی ہے، آپ کے نزدیک یہ معیار کس حد تک قابلِ عمل ہے؟

جواب: بچے کی تربیت میں تین شخصیات سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں: سب سے پہلے والدین، پھر اساتذہ اور اس کے بعد رہنما یا مربی۔ ان تینوں کو کم از کم دو کردار ادا کرنے چاہییں۔ والدین کو استاد کا کردار بھی ادا کرنا چاہیے اور اساتذہ کو بھی مربی بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے طلبہ باصلاحیت، معاشرے کی خدمت کرنے والے، روحانی شعور رکھنے والے اور اخلاقی ذمے داری کا احساس رکھنے والے انسان بنیں تو اس میں اساتذہ کا کردار انتہائی اہم ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اساتذہ خود بھی اپنی روحانی اور اخلاقی تربیت پر توجہ دیں۔ انھیں اپنے علم اور تجربے کے دائرے کو مسلسل وسیع کرتے رہنا چاہیے اور زندگی بھر سیکھنے کا عمل جاری رکھنا چاہیے۔ انھیں معاشرے کی خدمت کرتے ہوئے بھی نظر آنا چاہیے، کیوں کہ بچے ہمیں دیکھ کر کہیں زیادہ سیکھتے ہیں، بہ نسبت اس کے کہ وہ ہماری باتیں سن کر سیکھیں۔

میں یہ بات بالکل واضح الفاظ میں کہنا چاہوں گا: رہنما وہی بن سکتا ہے جو خود مطالعہ کرتا ہو۔ اس لیے اساتذہ کو بھی بہت زیادہ مطالعہ کرنے والا ہونا چاہیے۔ ان کا فارغ وقت دوسروں کی غیبت یا بے مقصد گفتگو میں نہیں گزرنا چاہیے۔ اس کے بجائے انھیں کتب خانے میں یا کہیں بھی مطالعے میں مصروف نظر آنا چاہیے۔ نئے خیالات تلاش کرتے رہنا چاہیے تاکہ وہ انھیں اپنی کلاس میں لا سکیں یا اپنے طلبہ کے اٹھائے ہوئے سنجیدہ سوالات کے جواب تلاش کر سکیں۔

استاد کا غصے پر قابو، اس کا انصاف، وقت کی پابندی، گفتگو کا انداز، عاجزی اور کمزور طلبہ کے ساتھ اس کا برتاؤ یہ سب تربیت کا حصہ ہیں۔ طلبہ شاید وہ اسباق بھول جائیں جو انھیں پڑھائے گئے تھے لیکن وہ یہ بہت کم بھولتے ہیں کہ ان کے استاد نے انھیں کیسا محسوس کروایا تھا۔

آج بھی مجھے اپنے بعض ایسے اساتذہ یاد ہیں، جنھوں نے میری زندگی کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ ایسے تھے جیسے کوئی ماہر سنگ تراش ہو۔ وہ تراشنے سے پہلے پتھر کی ساخت اور اس کی فطرت کو سمجھتے تھے۔ پھر اس کی کمزور جگہوں کا خیال رکھتے ہوئے اسے احتیاط سے تراشتے تھے۔ یہی ایک عظیم استاد کرتا ہے۔ وہ ہر طالب علم کی انفرادیت کو پہچانتا ہے اور اسے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں مدد دیتا ہے۔

بدقسمتی سے بیشتر اسکولوں میں اساتذہ کی تربیت کا تقریباً سارا زور صرف کلاس روم میں پڑھانے اور مضمون کی تدریس تک محدود رہتا ہے۔ بہت کم ادارے استاد کی شخصیت کی تعمیر پر توجہ دیتے ہیں۔ شاذ ہی ایسے تربیتی پروگرام منعقد ہوتے ہیں، جو اساتذہ کو جذباتی طور پر بالغ بنانے، ان کی روحانی زندگی کو مضبوط کرنے اور ان کے اخلاقی کردار کو بہتر بنانے میں مدد دیں۔

ہمیں ایسے منظم تربیتی پروگرام بھی بہت کم نظر آتے ہیں، جو اساتذہ کو یہ سکھائیں کہ طلبہ اور والدین کے ساتھ کس طرح مہربانی، ہمدردی، بہتر گفتگو، اچھی سماعت اور شفقت کے ساتھ پیش آنا ہے۔

اساتذہ کو خود بھی اس کمی کو محسوس کرنا چاہیے اور اسکول انتظامیہ کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہیے کہ وہ پیشہ ورانہ تربیت کے ان پہلوؤں میں بھی سرمایہ کاری کریں۔

ایک اچھا استاد صرف کوئی مضمون نہیں پڑھاتا، وہ ایک انسان کی شخصیت تشکیل دیتا ہے۔

سوال: آج نوجوان مسلمان طلبہ اور سیکھنے والوں کو بہت سے چیلنجز کا سامنا ہے اور جس سیاسی ماحول میں وہ پروان چڑھ رہے ہیں، اس نے ان مشکلات کو مزید بڑھا دیا ہے۔ اس صورتِ حال میں ان کے اندر مستقبل کے بارے میں بے چینی اور حتیٰ کہ مایوسی بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ ایسے حالات میں تربیت کیا کردار ادا کر سکتی ہے؟

جواب: آج ہندستان میں ہمیں جن حالات اور چیلنجز کا سامنا ہے، ان کے کئی اسباب ہیں۔ یہ ایک پیچیدہ صورتِ حال ہے جس کی کوئی ایک وجہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ البتہ ایک حقیقت واضح ہے کہ طاقت کا اس پورے معاملے میں بنیادی کردار ہے۔ جب اچھے اور صالح لوگ اقتدار کے مراکز میں ہوتے ہیں تو خیر اور بھلائی فروغ پاتی ہے اور جب اخلاقی اقدار سے محروم لوگ ان مقامات پر قابض ہو جاتے ہیں تو ناانصافی، ظلم اور استحصال جنم لیتا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب یورپ میں لوگ کلیسا سے بدظن ہو گئے اور انھوں نے ریاست اور کلیسا کی علیحدگی کا مطالبہ کیا۔ بعد میں یہ بات سامنے آئی کہ جب ریاست مکمل طور پر مذہب سے لاتعلق ہو جاتی ہے تو سیاست دان بعض اوقات مذہب کو صرف اقتدار تک پہنچنے کی سیڑھی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وہ نفرت پھیلا کر اور مختلف برادریوں کے درمیان تقسیم پیدا کر کے اپنے سیاسی مفادات حاصل کرتے ہیں۔ افسوس کہ ہمارے سمیت بہت سے معاشروں نے بھی مذہب کو اجتماعی زندگی سے الگ کرنے کے اس تصور کو اس کے طویل مدتی نتائج کو پوری طرح سمجھے بغیر اختیار کر لیا۔

میرے نزدیک اسلام نہ تو محض محدود معنوں میں ایک مذہب ہے اور نہ ہی صرف ایک سیاسی نظریہ۔ یہ زندگی کا ایک مکمل نظام ہے، جو انسان کی روحانی اور سماجی زندگی دونوں کو یکجا کرتا ہے۔ جدید فکر اکثر مذہب کو معاشرے اور ریاست کے معاملات سے الگ کر کے دیکھتی ہے، گویا یہ دو بالکل مختلف اور غیر متعلق دائرے ہوں۔ اسی لیے جب یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام روحانیت کے ساتھ ساتھ عدل، مساوات، معاشی نظام، عائلی قوانین اور سماجی ذمے داریوں کے بارے میں بھی رہنمائی دیتا ہے تو اسے سمجھنا مشکل محسوس ہوتا ہے۔ افسوس کہ بہت سے مسلمان بھی اسی طرزِ فکر کے عادی ہو گئے ہیں۔

میرے خیال میں تربیت کا پہلا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اسلام کو ایک مکمل نظامِ زندگی کے طور پر پیش کیا جائے، بالکل اسی طرح جیسے قرآن اسے پیش کرتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ بچوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ وہ معاشرے میں خیر کے فروغ کے ذمے دار ہیں اور زندگی کے ہر میدان میں انصاف کے لیے کام کرنا ان کی ذمے داری ہے۔

تیسری بات یہ کہ طلبہ کو اعتماد کے ساتھ اسلام پر عمل کرنے کی ترغیب دی جائے اور ان کے کردار و عمل کے ذریعے انھیں اسلام کی اقدار کے بہترین نمائندے بننے کے لیے تیار کیا جائے۔

ہمیں اپنے بچوں کو خوف زدہ بنا کر نہیں پالنا چاہیے۔ ہمیں ایسے بااخلاق اور پُراعتماد بچے تیار کرنے چاہییں جو اپنے دین کو جانتے ہوں، دوسروں کا احترام کرتے ہوں، محنت کرتے ہوں، سچ بولتے ہوں، احساسِ مظلومیت کو اپنی شناخت نہ بنائیں اور دیانت داری کے ساتھ ہندستان کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔

تربیت دراصل نوجوانوں کو زندگی کا مقصد سمجھانے اور ان کی مسلم شناخت کو محض ایک شناخت کے بجائے ذمے داری کے احساس میں ڈھالنے کا نام ہے۔

(یہ انٹرویو اصل میں انگریزی زبان میں شائع ہوا ہے۔ پیشِ نظر متن اسی انگریزی انٹرویو کا اردو ترجمہ ہے۔ اصل انٹرویو کے مفہوم، انداز اور روح کو حتی الامکان برقرار رکھتے ہوئے اردو زبان میں یہ اہم انٹرویو قارئین کے لیے حاضر خدمت ہے۔)

عورت کی اصل پہچان



معراج ارم بنت عبدالصمد

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ آسمان پر بادل ایسے چھائے تھے، جیسے کسی مصور نے نیلے کینوس پر سرمئی رنگ بکھیر دیے ہوں۔ مونسہ کھڑکی کے پاس بیٹھی بارش کی بوندوں کو شیشے پر بہتے دیکھ رہی تھی، مگر اس کے دل میں ایک طوفان برپا تھا۔

آج کالج میں ایک سوال نے اس کی پوری دنیا ہلا دی تھی:

"آج کی عورت کی اصل پہچان کیا ہے؟"

کلاس میں ہر طالبہ نے اپنا اپنا جواب دیا۔

کسی نے کہا: "مالی خود مختاری۔"

کسی نے کہا: "جدید طرزِ زندگی۔"

کسی نے کہا: "آزادی۔"

مونسہ خاموش رہی۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ خود کو جانتی ہی نہیں۔

گھر آ کر اس نے اپنی امی سے یہی سوال کیا۔ امی نے جواب دینے کے بجائے الماری سے ایک پرانی کتاب نکالی۔ اس کے پہلے صفحے پر علامہ اقبال کا یہ شعر تحریر تھا:

"وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ"

امی نے کہا: "بیٹی! اگر تم اس شعر کو سمجھ لو تو عورت کی حقیقت بھی سمجھ لوگی۔"

مونسہ حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

امی بولیں: "ذرا سوچو! جب ایک بچہ دنیا میں آتا ہے تو سب سے پہلے کس کی آغوش اسے سکون دیتی ہے؟ جب ایک گھر کا تانا بانا بکھرنے لگتا ہے تو کون محبت کے دھاگوں سے اسے دوبارہ جوڑتا ہے؟ جب ایک معاشرہ اخلاق سے خالی ہونے لگتا ہے تو نئی نسل کی تربیت کون کرتا ہے؟"

مونسہ کی نظریں جھک گئیں۔

امی نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا: "بیٹی! عورت صرف ایک انسان نہیں، وہ نسلوں کی معمار ہے۔ اس کی گود پہلی درس گاہ ہے، اس کی زبان پہلا سبق ہے، اس کا کردار پہلی کتاب ہے اور اس کی دعا پہلی حفاظت۔"

اس رات مونسہ سو نہ سکی۔ اگلی صبح اس نے زندگی کو ایک نئے زاویے سے دیکھنا شروع کیا۔

اس نے اپنی ماں کو دیکھا، جو خاموشی سے پورے گھر کی تھکن اپنے چہرے پر آنے نہیں دیتی تھیں۔

اپنی استانی کو دیکھا، جو سینکڑوں طالبات کے دلوں میں علم کا نور روشن کر رہی تھیں۔

اس ڈاکٹر خاتون کو دیکھا، جو مریضوں کی خدمت میں دن رات ایک کیے ہوئے تھیں۔

اور مدرسے میں قرآن پڑھاتی وہ معلمہ، جس کی ایک ایک بات بچیوں کے کردار کو سنوار رہی تھی۔

مونسہ کو محسوس ہوا کہ دنیا کی خوب صورتی صرف رنگوں، عمارتوں یا روشنیوں میں نہیں، بلکہ ان عورتوں میں ہے، جو خاموشی سے زندگیوں کو سنوار رہی ہیں۔

اس دن اس نے اپنی ڈائری میں لکھا:

"میں دوسروں جیسی بننے کے لیے پیدا نہیں ہوئی۔ میں اس مقصد کے لیے پیدا ہوئی ہوں کہ اللہ نے مجھے جو فطرت، حیا، محبت، شفقت اور صلاحیت عطا کی ہے، اسے انسانیت کی بھلائی میں استعمال کروں۔ یہی میری پہچان ہے اور یہی میری کامیابی ہے۔"

برسوں بعد۔۔۔

مونسہ ایک کامیاب معلمہ، بہترین بیٹی اور معاشرے کی رہنما بن چکی تھی۔ ایک تقریب میں اس سے پوچھا گیا:

"آپ کی کامیابی کا راز کیا ہے؟"

وہ مسکرائی۔ چند لمحے خاموش رہی اور پھر بولی:

"میں نے دنیا کو بدلنے سے پہلے خود کو پہچانا۔ جب میں نے جان لیا کہ عورت ہونا کمزوری نہیں بلکہ اللہ کی عظیم امانت ہے، تب میری زندگی کا ہر قدم عبادت بن گیا۔"

ہال تالیوں سے گونج اٹھا، مگر مونسہ کی نگاہیں آسمان کی طرف تھیں۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے بارش کے بعد بکھرنے والی قوسِ قزح یہ پیغام دے رہی ہو کہ۔۔۔

اگر عورت اپنے ایمان، علم، حیا اور کردار کے رنگوں کو سنبھال لے تو صرف ایک گھر نہیں، پوری کائنات رنگوں سے بھر جاتی ہے۔

اور تب اقبال کا شعر صرف ایک شعر نہیں رہتا، بلکہ ایک زندہ حقیقت بن جاتا ہے:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

زمین، خلائی سیارے، کعبہ کا طواف اور دل کے اطراف خون مخالف سمت میں چکر لگاتے ہیں

قدرت کی کاریگری پر تحقیق اللہ سے قریب کرتی ہے اور غور و فکر ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے

مولانا خلیل احمد ندوی نظامی



اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائینات کو وجود بخشا، اس کے خلقت کی حکمتوں اور رازہائے سربستہ سے اپنے مخصوص بندوں کو آگاہ بھی کیا اور بہت ساری چیزوں کی اندرونی جانچ ان کے علم اور قوت رسائی پر منحصر کردی۔ علم الانسان مالم یعلم کے ذریعہ اس بات کو آشکار کردیا کہ انسان خالی الذھن پیدا ہوا، اللہ نے اس کے اندر ادراک کی قوت ڈال دی، اس کو جستجو اور کھوج کی دولت سے سرفراز کیا، حاصل شدہ علوم کے خزانوں سے نایاب جواہر نکالنے کی صلاحیت اس کو عطا کی، اسی کی کرشمہ سازی ہے کہ اس نے ثابت کردیا ''ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ''۔ مولانا خلیل احمد ندوی نظامی سابق ماہر کتبات عربی وفارسی محکمۂ آثار قدیمہ، چیئرمین صمدانی گروپ آف ایجوکیشنل اینڈ ووکیشنل انسٹیٹیوٹس، کمپیوٹر ٹریننگ اینڈ لینگویجس سنٹر NCPUL وفانوس آگہی (تاریخ اسلام وثقافت اسلامیہ سے نئی نسل کو واقف کرانے کیلئے کل ہند سطح پر انٹر اسکولس رکالجس مقابلۂ جات) حیدرآباد نے درگاہ حضرت اسحاق مدنی، سولدر پیٹھ سی پورٹ ایریا، وشاکھاپٹنم میں فانوس آگہی کے تحت منعقدہ نشست سے خطاب کرتے ہوئے کہا: یہ وہی بزرگ ہیں جن کے نام پر اس شہر کا نام اسحاق پٹن تھا، انگریزوں نے اسے ویزاگ بنادیا جو بعد میں وشاکھاپٹنم بنا، کہا: صدیوں پہلے جب گلوبل پوزیشننگ سسٹم دریافت نہیں ہوا تھا، سمندری جہاز چلانے والے ملاح کعبہ کے حوالہ سے راستہ تلاش کرتے تھے، نئی تحقیق کے مطابق کعبہ ایسی جگہ ہے جہاں زمین کی جیومیگنیٹک فیلڈز بیلنس ہے، اس لئے جو بھی مکہ جاتا ہے وہاں بہت سکون محسوس کرتا ہے اور ایک الگ طرح کے احساس سے گزرتا ہے۔ خانہ کعبہ کا طواف کرنے والے کاؤنٹر کلاک وائز یعنی اپوزٹ ڈائرکشن میں طواف کرتے ہیں۔ تحقیقات کے مطابق پوری کائینات بالکل اسی طرح مخالف سمت میں گھومتی ہے، سورج کے اطراف چاند، تارے، سیارے اور تمام پلانیٹس مخالف سمت میں ہی چکر لگاتے ہیں۔ زمین کی گردش بھی اسی طرح ہوتی ہے، کعبہ زمین کا ایک پاورفل جیومیگنیٹک پوائنٹ ہے۔ مسلمان وہاں نظام فطرت سے جڑ جاتا ہے، کائینات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے، جب ہزاروں مسلمان ایک ساتھ مخالف سمت میں کائینات کی رفتار کے عین مطابق ذکر ومناجات کے ساتھ طواف کرتے ہیں تو پوری کائینات کی تسبیحات میں شامل ہوکر ایک یونائیٹڈ انرجی فیلڈ بناتے ہیں۔ انسان کے دل کے اطراف خون بھی مخالف سمت میں چکر لگاتا ہے، انسانی جسم میں دل سب سے پاورفل الیکٹرومیگنیٹک فیلڈ پیدا کرتا ہے۔ دماغ سے بھی زیادہ۔ ایک دن کعبہ کے سامنے کھڑے ہوکر آنحضرتؐ نے کعبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے کعبہ! تو کتنا پاک ہے، تیری حرمت کتنی عظیم ہے، لیکن مجھے اس رب کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اللہ کے نزدیک ایک مؤمن کے دل کی قیمت تجھ سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ مؤمن کا دل کعبہ سے بھی زیادہ عظیم ہے۔ آپؐ نے فرمایا: انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ایسا لوتھڑا ہے، اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم سدھر جاتا ہے اور اگر وہ خراب ہوجائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔ اور وہ بگڑا انسان کا دل ہے، حدیث کے مطابق ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، ایک اللہ کو مان کر چلنا انسان کی فطرت میں داخل ہے، اسلام دین فطرت ہے۔ اس کا ہر عمل فطرت کے عین مطابق ہے، اس کے فطری نظام کو اپنانے میں ہی دنیا کا سکون چھپا ہوا ہے، اپنی فطری نظام کا ایک حصہ ہر چیز کی جانکاری وعلم حاصل کرنا اور خدا کی قدرت کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا ہے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جو حصول علم کی تاکید کی اس کا مقصد ہی کائینات کے حقائق تک پہنچنا اور اللہ سے قریب ہونا ہے، کیونکہ تحقیق کے ذریعہ جیسے جیسے چیزوں کی حقیقت وافادیت آشکار ہوتے جائے گی خالق حقیقی پر اتنا ہی ایمان مضبوط ہوتا جائے گا۔ قرون اولیٰ کے اہل علم طبقہ نے تحقیق ودریافت کی سمت جیسے جیسے پیش قدمی کی قدرت کے رازاس کے حکمت کی قوت اور کائینات کی حقیقت آشکار ہوتی چلے گئی۔ اس سے نت نئی ایجادات کا دروازہ کھلا، چنانچہ آتشبازی کیلئے استعمال کیا جانے والا سلفرگن پاؤڈر مسلمانوں کی تحقیق سے وجود میں آیا جو آج کی دنیا میں راکٹ اور میزائیل تک رسائی کا ذریعہ بنا۔ بقول شاعر کے ''اپنی رہنمائی پر اب غرور مت کرنا۔ آپ سے بہت آگے نقش پا ہمارا ہے''۔ ہماری غفلت اپنے اسلاف کے کارناموں اور ان کی کاوشوں کے نتیجے میں وجود میں آئے ثمرات سے استفادہ کرنے سے ہمیں روک رہی ہے۔ ہمارے اسلاف سخرلکم الشمس والقمر کے تحت ہر جگہ کمند ڈالے، وفی انفسکم کے تحت جسم انسانی کو کھنگال ڈالا، اندرونی نظام کی پوری جانکاری حاصل کی، معدے کا جائزے لے کر اس کے حفاظت کے گر بتلائے، زمین گول ہے اس حقیقت کو پیش کیا۔ حسابی اعداد کی ترتیب، الجبرا کی تخلیق، سرجری کا تصور، سرجیکل مراحل کی تعیین کے ساتھ یہ بھی بتلایا کہ جسم میں خون منجمد نہیں ہے بلکہ رگوں میں اس کا دوران ہوتا ہے، آنکھ پر تحقیق نے کیمرہ ولیاب تک رسائی آسان کرلی، پیراشوٹ سے لے کر پلسن اور سافٹ ڈیوائس تک پہنچنے کی کوشش کرنا جو ماڈرن ٹیکنالوجی کی ریڑھ کی ہڈی ہے وسائل وذرائع کی کمی کے باوجود دنیا کے بیشتر حصہ کی سیر نے، زمینیات ومعدنیات سے متعلق حقائق اور سماجی علوم کا دامن بھر دیا۔ خلا وفلکیات کے پنہاں رازوں پر سے پردہ ہٹایا۔ تمام فضائی مہم جوئی اور چاند تک رسائی کے مراحل کو آسان کردیا۔ نظام شمسی کے ادراک سے دنیا کو آج تک کام آنے والا کیلنڈر دیا، مثلثات پر تحقیق کے ذریعہ ٹریگونومیٹری کی راہ ہموار کی۔ کیمیا وطب کے میدان میں اپنی لاجواب تحقیقات سے بعد والوں کو کارآمد چیزوں کا خزانہ دے گئے۔ اپنی دریافتوں کے ذریعہ الگل کو ہمہ جہتی رخ دیا، رصدگاہوں کے ذریعہ نہایت قیمتی وبیش بہا تجربات دنیا والوں کے دامن میں ڈال دیئے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ مسلمانوں کے تمام تر علمی کمالات، ایجادات، اختراعات، انکشافات اور دریافتیں سب انسان کی فلاح وبہبود کیلئے رہیں۔

افسانچے



محمد یوسف رحیم بیدری (بیدر کرناٹک)

۱۔ دستک تکالیف کی:۔

تمام راستے کانٹوں سے بھرے تھے۔ میں نے اپنے دودھ ڈیری دوست سے اس کا ذکر کیا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ دراصل تم بوڑھے ہورہے ہو، جوانی میں تو تم نے مشکلات کا کبھی ذکر تک نہیں کیا تھا۔

۲۔ درپردہ حامی:۔

ہم نے منافقوں سے اتحاد تو نہیں کیا ہے البتہ ان سے اتفاق ضرور کرلیا ہے۔ وہ ممبر پر کھڑے ہوکر جو کچھ کہیں گے ہم اس کی مخالفت نہیں کریں گے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ خواتین دونوں طرف کے بغلوں میں بیٹھی نظر آرہی ہیں۔ سود کی رقم گھر پہنچ رہی ہے۔ والدین اور بچوں کے موبائل مادہ پرستی کی ویڈیو کلپس سے پر ہیں۔ دنیا اور دولت کے در پر ہم بھی دستک دے رہے ہیں۔ یہی کچھ تو نفاق سے اتفاق کرنا ہے اور کیا۔

۳۔ متوقع بڑا:۔

وہ بڑا سے چھوٹا آدمی اس طرح ہوا کہ پہلے وہ بلالحاظ مذہب وملت امداد کیا کرتا تھا۔ سبھی سے ملتا تھا۔ اب وہ منتخبہ افراد کی مدد کرتا ہے اور چنندہ افراد سے ملاقات کرتا ہے۔ نشت وبرخاست کا فرق واضح ہے۔ سنا ہے کہ اب کسی کیڈر نیس تنظیم کا وہ صدر بننے والا ہے۔

۴۔ اڑنے کی نعمت:۔

ڈاکٹر انوار اللہ سے غیر رسمی ملاقات تھی۔ باتوں باتوں میں ڈاکٹر انوار اللہ نے کہا ''لوگ اس قدر تن آسان ہوگئے ہیں کہ آسان کام بھی ان پر گراں گزرتا ہے، وہ کوئی چھوٹا موٹا آسان کام بھی نہیں کرتے کیا ہیں، جن میں لوگ یعنی ہم دلچسپی نہیں لیتے؟'' ڈاکٹر انوار اللہ نے کہا ''چلنا پھرنا یعنی واکنگ کرنا''

جواب سن کر میرا پہرا اتر گیا۔ کیوں کہ ڈاکٹر نے سچ کہا تھا۔ ارے بھائی جن کے پاس ٹوہیلر اور فوروہیلر ہوں وہ کہاں سے چلنا پھرنا چاہے گا۔ ہوا میں اڑنے کی نعمت ملی ہوئی ہے تو کون واکنگ کرنے کو ترجیح دے گا؟

۵۔ احتسابی سوال:۔

اس نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''رب سے تعلق ٹوٹا تو پھر کسی سے حقیقی تعلق باقی نہیں رہا۔ سبھی ٹشو پیپر جیسے تھے، استعمال کیا اور پھینک دیا'' میں سوچ رہا ہوں کہ اس کہانی سے میری کہانی کتنی ملتی جلتی ہے۔ کیا میں انسانوں کو ٹشو پیپر سمجھتا ہوں؟ جواب آنے میں تاخیر ہورہی ہے۔ احتسابی سوال کے جواب جلد نہیں ملتے۔

۶۔ قربت سے بیگانگی:۔

درخت اکھڑ گیا۔ بے گھر پرندوں نے درخت کے اکھڑنے کا ماتم نہیں کیا۔ وہ وہاں سے اڑ کر دوسرے درخت پر بسیرا کرنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ خود کے اکھڑنے سے زیادہ پرندوں کا درخت کی قربت فوری طور پر چھوڑنا درخت کو سوکھنے پر مجبور کرگیا تھا۔

۷۔ اجتماعی چھوٹے:۔

''حبیب ساقی بسکٹ کھانے میں مصروف تھا۔ عبید دادا کو موبائل سے فرصت نہیں تھی۔ میں اور رسول پاشاہ رہ گئے تھے ایسی باتوں میں دلچسپی لینے کے لئے۔ میں نے پوچھا ''وہ آسان کام

وہ چھوٹا آدمی تھا۔ اس لئے چھوٹی چھوٹی باتوں پر سوال بہت کرتا تھا۔ مثلاً مجھے کھڑکی کے پاس جگہ کیوں نہیں دی گئی۔ میرا بیگ سب سے نیچے کیوں ڈالا گیا ہے؟ اُدھر منہ کرکے کیوں کھڑے ہو؟ میرے بارے میں کچھ غلط تو نہیں سوچ رہے تھے؟ چائے کا پہلا کپ مجھے کیوں نہیں دیا گیا؟ دوستوں نے بھی اس سے چھٹکارا حاصل کرکے اپنے اجتماعی طور پر چھوٹے ہونے کا ثبوت فراہم کردیا۔ اور کہا کہ بھائی ہمارا ذہن بھی انتشار سے دوری چاہتا ہے، لہٰذا یکسوئی کے لئے ضروری تھا کہ اس سے دوری اختیار کرلی جائے۔ اب اس کے نہ ہونے سے سوال بھی نہیں ہوتے، اب ہم تمام دوست اپنے حلقے میں سکون محسوس کررہے ہیں۔

۸۔ بے خیالی:۔

دودھ والے کو اس نے سلام کیا۔ وہ وعلیکم السلام کہہ کر فوری چلا گیا۔ اسے خیال آیا کہ دودھ والا روز دودھ لاتا ہے، اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے تھا مگر وہ تو چلا گیا۔ موصوف کو یہ خیال نہیں آیا کہ واٹس ایپ پر بھی تو شکریہ ادا کیا جاسکتا ہے نا؟

۹۔ شکار زدہ شریف:۔

اُن میں اتنی ہمت آگئی ہے کہ وہ کسی کو بھی بے آبرو کرسکتے ہیں۔ شہر کی منفی عادات شرفاء پر بھی اثر دکھاتی ہوں گی۔ اسی لئے تو آج کل وہ اسی اثر کا شکار لگتے ہیں۔

۱۰۔ تبدیلی سے مایوس:۔

دیش میں بے چینی اور بے یقینی عام ہے اور ہمارا محلہ پورے یقین کے ساتھ جی رہا ہے کہ کچھ ہوگا وو گا نہیں، اگر کچھ ہوگا تو دیکھا جائے گا۔ میں بیماریوں کے بارے میں نہیں جانتا۔ کوئی جانتا ہوگا تو بتادے کہ یہ کون سی معاشرتی بیماری ہے جو ہمارے محلے والوں میں سرایت کرگئی ہے۔

سنا ہے کہ 80 سال پہلے بھی ان کے آباء ایسا ہی کچھ سمجھتے تھے کہ انگریز ملک سے نہیں جائے گا۔ تبدیلی نہیں آئے گی۔

۱۱۔ آپ بتائیں:۔

دادا پریشان تھے کہ لڑکیاں مظاہروں میں شریک ہورہی ہیں۔ وہ اس طرح کی چیزوں کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ اور والد صاحب کو خوشی تھی کہ لڑکیاں آگے بڑھ رہی ہیں مگر میری بہنیں مظاہروں میں شریک نہ ہونا چاہیے۔ انھوں نے تو کام کرنے والی کی لڑکی کو بھی جانے کی اجازت دی تھی اور وہ نعرے وارے لگا کر بھی آئی تھی۔

میں دادا اور والد صاحب کے رویوں کے درمیان پھنسا ہوا بین زی ہوں۔ میری رائے کیا ہے مجھے خود نہیں پتہ۔ لیکن اچھا نہیں لگ رہا ہے کہ لڑکیاں آگے آگے پروٹسٹ کریں اور ہم ان کے پیچھے رہیں۔ آپ کیا سوچتے ہیں مردوں کو کہاں ہونا چاہیے اور لڑکیوں کو کہاں؟ ضرور بتائیں

۱۲۔ درد اٹھا:۔

درد اٹھا نہایت ہی زور سے تو ماں نے کہا ''بیٹے، جو درد دہم خواتین برداشت کرتی ہیں وہ تم سے برداشت نہیں ہوں گے۔ لہٰذا جو بھی درد ہے اس کو برداشت کرنا سیکھو۔ رودھو کر ہی سہی ہماری طرح'' ماں کی بات سن کر بیٹا درد کی وجہ سے زور زور سے رونے لگا۔ ماں خاموشی سے بیٹے کو گھورے جارہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

غزل

اتنا بکھری ہوں، کہ یکجا نہیں ہونے والی
خاک میں مل کے ستارا نہیں ہونے والی
سب لیے پھرتے ہیں جب اپنے خدا اپنے صنم
اک جگہ قوم اکٹھا نہیں ہونے والی
گرچہ قطرہ ہوں، مگر رکھتی ہوں پہچان الگ
اُس سے مل کر کبھی دریا نہیں ہونے والی
بزم یادوں کی سجالیتے ہیں آزردہ لوگ
میری حسرت کبھی تنہا نہیں ہونے والی
خوب معلوم ہے اوقات بھنور کی نازاں
میری کشتی بھی کنارا نہیں ہونے والی

جبیں نازاں لکشمی نگر نئی دہلی

دہلی کے احتجاج اور استعفوں کی سیاست کانگریس کا مقصد انتخابی اصلاحات یا اقتدار کی واپسی؟



ندیم خان// بارہمولہ کشمیر

جمہوریت میں احتجاج کرنا ہر شہری اور سیاسی جماعت کا حق ہے۔ حکومت سے سوال پوچھنا، اداروں کی کارکردگی پر تنقید کرنا اور عوامی مسائل کو اجاگر کرنا ایک زندہ جمہوریت کی علامت ہے۔ لیکن جب احتجاج کا سلسلہ مسلسل جاری رہے، سیاسی مطالبات کا مرکز کسی آئینی عہدے دار کا استعفیٰ بن جائے اور ہر انتخابی شکست کے بعد پورے انتخابی نظام کی ساکھ پر سوال اٹھنے لگیں تو یہ پوچھنا بھی ضروری ہوجاتا ہے کہ اس سیاسی حکمت عملی کا اصل مقصد کیا ہے؟ کیا واقعی انتخابی نظام کی اصلاح مطلوب ہے، یا سیاسی میدان میں اپنی کھوئی ہوئی جگہ دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے؟ دہلی میں چیف الیکشن کمشنر گیانیش کمار کے خلاف جاری احتجاج نے اسی بحث کو جنم دیا ہے۔ کانگریس، انڈیا اتحاد کے رہنما، کاکروچ جنتا پارٹی (CJP)، بعض طلبہ گروپ اور دیگر سیاسی وسماجی شخصیات اس احتجاج کا حصہ بن رہی ہیں۔ ان کا بنیادی مطالبہ انتخابی فہرستوں کی خصوصی گہری نظرثانی (SIR) پر اعتراضات اور چیف الیکشن کمشنر کے استعفے سے متعلق ہے۔ راہل گاندھی اور پرینکا گاندھی واڈرا جیسے بڑے سیاسی رہنماؤں کی شرکت نے اس معاملے کو مزید نمایاں کردیا ہے۔ 12 اکتوبر کو انڈیا اتحاد کے رہنماؤں نے سپریم کورٹ کی جانب مارچ بھی کیا اور انتخابی نظرثانی کے عمل کو عدالت میں چیلنج کرنے کی کوشش کی۔ یہاں بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا کسی انتخابی عمل پر اعتراض کرنے کا درست طریقہ صرف احتجاج اور استعفے کا مطالبہ ہے، یا اس کے ساتھ ٹھوس شواہد، واضح دلائل اور قابل عمل اصلاحات بھی پیش کی جانی چاہییں؟ کانگریس سے یہ سوال اس لیے بھی کیا جانا چاہیے کہ وہ ملک کی ایک بڑی سیاسی جماعت ہے اور اس سے عوام کو سنجیدہ، مدلل اور ذمہ دارانہ سیاسی مؤقف کی توقع رہتی ہے۔ کانگریس کے موجودہ مؤقف پر تنقید کرتے ہوئے ایک اہم سوال ماضی کے انتخابی رویوں سے متعلق بھی پیدا ہوتا ہے۔ جب کانگریس مرکز میں اقتدار میں تھی اور ملک میں انتخابات ہوتے تھے، تب بھی انتخابی عمل سے متعلق مختلف تنازعات اور شکایات سامنے آتی رہی تھیں۔ اسی طرح بھارتیہ جنتا پارٹی جب اپوزیشن میں تھی، اس وقت بھی انتخابی سیاست میں اس کی اپنی شکایات اور اختلافات رہے۔ اس لیے یہ دعویٰ کرنا درست نہیں ہوگا کہ ماضی میں کسی جماعت نے کبھی انتخابی اداروں پر سوال نہیں اٹھایا۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ سیاسی جماعتیں انتخابی اداروں کے بارے میں اپنے مؤقف میں کتنی مستقل مزاجی دکھاتی ہیں۔ جب نتائج ان کے حق میں آئیں تو انتخابی عمل پر اعتماد اور جب نتائج خلاف آئیں تو پورے نظام کو مشکوک قرار دینا کسی بھی جماعت کے لیے سنجیدہ سوالات پیدا کرتا ہے۔ یہی معیار کانگریس پر بھی لاگو ہوتا ہے اور یہی معیار بی جے پی سمیت ہر دوسری سیاسی جماعت پر بھی ہونا چاہیے۔ کانگریس اگر سمجھتی ہے کہ ووٹر فہرستوں میں بے ضابطگیاں ہوئی ہیں تو اسے یہ بتانا چاہیے کہ کن علاقوں میں، کتنے اہل ووٹروں کے نام غلط طور پر حذف ہوئے، ان شکایات کے ثبوت کیا ہیں اور ان کے ازالے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ محض یہ کہنا کہ ووٹ چوری ہورہی ہے، ایک سنگین الزام ہے؛ اس کے لیے سنجیدہ اور قابل جانچ شواہد بھی ضروری ہیں۔ سیاسی جماعتوں کو یہ سمجھنا ہوگا کہ عوام کے اعتماد کو صرف نعروں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی جماعت واقعی انتخابی نظام میں اصلاحات چاہتی ہے تو اسے اپنے مطالبات کو قانونی اور انتظامی تجاویز میں تبدیل کرنا ہوگا۔ ورنہ عوام کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہونا فطری ہے کہ کیا یہ احتجاج کسی مسئلے کے حل کے لیے ہے یا سیاسی فائدے کے لیے؟ دہلی کے احتجاج میں کاکروچ جنتا پارٹی (CJP) کی شمولیت بھی قابل توجہ ہے۔ اس تنظیم کے بانی ابھیجیت دیپکے اس سے پہلے امتحانی بے ضابطگیوں اور طلبہ کے مسائل کے حوالے سے احتجاجی سرگرمیوں کے ذریعے نمایاں ہوئے تھے۔ جولائی 2026 میں مرکزی وزیر تعلیم دھرمیندر پردھان کے استعفے کے بعد CJP نے اپنے احتجاج کو کامیابی قرار دیا تھا۔ اب اسی تنظیم سے وابستہ افراد چیف الیکشن کمشنر گیانیش کمار کے استعفے کے مطالبے کے ساتھ میدان میں ہیں۔ کسی تنظیم کو احتجاج کرنے کا حق حاصل ہے، لیکن ہر احتجاج کے مطالبات کو الگ الگ پرکھنا ضروری ہے۔ ایک معاملے میں احتجاج کے بعد کسی وزیر کا استعفیٰ سامنے آجانا اس بات کا ثبوت نہیں کہ آئندہ ہر احتجاجی مطالبہ بھی درست ہوگا۔ اسی طرح کسی تنظیم کی مقبولیت یا سوشل میڈیا پر اس کی پذیرائی کو اس کے ہر الزام کی تصدیق نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ سوال بھی اہم ہے کہ نوجوانوں کو احتجاج کی طرف متوجہ کرنے والی تنظیمیں انہیں صرف غصے اور نعرے بازی تک محدود رکھنا چاہتی ہیں یا انہیں مسائل کے قانونی، آئینی اور عملی حل کی طرف بھی لے جارہی ہیں؟ نوجوان کسی بھی ملک کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ ان کی سیاسی بیداری خوش آئند ہے، لیکن اس بیداری کو درست معلومات، دلیل اور ذمہ دارانہ شہری رویے کے ساتھ آگے بڑھانا بھی ضروری ہے۔ کسی بھی احتجاج کی کامیابی کا پیمانہ صرف یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کتنے لوگ سڑکوں پر نکلے یا کتنی دیر تک دھرنا دیا گیا۔ اصل پیمانہ یہ ہونا چاہیے کہ اس احتجاج سے عوام کے مسائل کا کوئی قابل عمل حل نکلا یا نہیں۔ آج سوشل میڈیا نے سیاسی بحث کی نوعیت بدل دی ہے۔

یوٹیوبرز، ڈیجیٹل صحافیوں اور سوشل میڈیا پر سرگرم شخصیات کے پاس لاکھوں لوگوں تک پہنچنے کی صلاحیت ہے۔ دھرو راٹھی، نیہا سنگھ راٹھور، نیہا بھورا اور دیگر معروف ڈیجیٹل شخصیات کے سیاسی تبصروں نے بھی مختلف موضوعات کو عوامی بحث کا حصہ بنایا ہے۔ تاہم کسی شخصیت کی مقبولیت اس کے ہر دعوے کو درست ثابت نہیں کرتی۔ سوشل میڈیا پر ایک مختصر ویڈیو یا جذباتی بیان چند گھنٹوں میں ہزاروں لوگوں تک پہنچ سکتا ہے، جبکہ اس میں کیے گئے دعوے کی حقیقت جانچنے میں کہیں زیادہ وقت لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی معاملات میں معلومات کی تصدیق اور مختلف نقطہ نظر کو سمجھنا پہلے سے زیادہ ضروری ہوگیا ہے۔ کانگریس اور دیگر اپوزیشن جماعتوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ سوشل میڈیا کی مقبولیت کو عوامی حمایت کا مکمل پیمانہ نہ سمجھیں۔ اسی طرح ڈیجیٹل شخصیات کو بھی یہ ذمہ داری محسوس کرنی چاہیے کہ وہ سیاسی دعووں کو پیش کرتے وقت شواہد اور سیاق وسباق کو نظرانداز نہ کریں۔ البتہ یہ کہنا کہ تمام یوٹیوبرز یا نوجوان رہنما کسی خفیہ سیاسی منصوبے کے تحت کام کررہے ہیں، بغیر ثبوت کے درست نہیں ہوگا۔ ان کے کردار پر تنقید ان کے بیانات، مواد اور عملی سرگرمیوں کی بنیاد پر ہونی چاہیے، نہ کہ محض ان کی سیاسی وابستگی یا مقبولیت کی بنیاد پر۔ دہلی کے احتجاج کے دوران راہل گاندھی نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ پولیس اہلکاروں میں سے 50 فیصد ان سے کہتے ہیں کہ وہ جو کررہے ہیں، درست کررہے ہیں اور اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اس بیان کے حوالے سے سوال یہ ہے کہ اس تناسب کی بنیاد کیا ہے؟ کیا اس کے حق میں کوئی باقاعدہ سروے، دستاویز یا آزادانہ تصدیق موجود ہے؟ اگر کوئی سیاسی رہنما کسی بڑے ادارے کے اہلکاروں کی حمایت کا دعویٰ کرتا ہے تو عوام کو یہ جاننے کا حق ہے کہ یہ دعویٰ کن معلومات پر مبنی ہے۔ چند افراد کی نجی رائے پورے محکمے کے مؤقف کی نمائندگی نہیں کرتی۔ اس لیے ایسے بیانات کو سیاسی دعوے کے طور پر ہی دیکھا جانا چاہیے، جب تک ان کی آزادانہ تصدیق نہ ہوجائے۔ اسی طرح راہل گاندھی کی جانب سے سرکاری افسران، بشمول بعض تفتیشی اداروں سے وابستہ افراد، کے رابطے میں ہونے سے متعلق بیان بھی عوامی بحث کا حصہ بنا۔ ایسے دعووں کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا لیکن ان کی بنیاد اور نوعیت واضح ہونا بھی ضروری ہے۔ سیاسی رہنماؤں کو اپنے بیانات کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیے، خصوصاً جب ان بیانات میں سرکاری اداروں یا ان کے اہلکاروں کا ذکر ہو۔ جمہوریت میں کسی رہنما کی تقریر کو صرف اس وجہ سے درست نہیں سمجھا جاسکتا کہ وہ اپوزیشن سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح کسی دعوے کو محض اس لیے رد بھی نہیں کیا جانا چاہیے کہ وہ حکومت کے خلاف ہے۔ اصل معیار شواہد، دلیل اور آزادانہ جانچ ہے۔ 12 اکتوبر کے احتجاج کے دوران ایک اور تنازع اس وقت سامنے آیا جب صحافی ریچا پراشر نے الزام لگایا کہ سپریم کورٹ کی جانب مارچ کے دوران راہل گاندھی نے انہیں کھینچا اور ان کے ساتھ دھکم پیل ہوئی، جس کے بعد ان کے مطابق سیکورٹی اہلکاروں نے انہیں دھکا دیا۔ صحافی نے خود کو تین ماہ کی حاملہ بتایا اور واقعے کے بعد اسپتال میں زیر علاج ہونے کی اطلاع دی۔ کانگریس نے ان الزامات کو مسترد کرتے ہوئے انہیں سیاسی پروپیگنڈا قرار دیا اور واقعے کی ترتیب سے متعلق سوالات اٹھائے۔ اس واقعے کی مکمل حقیقت کا تعین شواہد اور غیر جانب دارانہ جانچ سے ہونا چاہیے۔ تاہم، یہ معاملہ سیاسی اخلاقیات کے حوالے سے ایک اہم سوال ضرور اٹھاتا ہے عوامی اجتماعات میں سیاسی رہنماؤں اور ان کے حامیوں کا صحافیوں کے ساتھ رویہ کیسا ہونا چاہیے؟ خواتین کے احترام اور ان کے حقوق کی حمایت کرنے والے ہر سیاسی رہنما سے توقع کی جاتی ہے کہ اس کے عملی رویے میں بھی یہی اصول نظر آئیں۔ لیکن اس اصول کا اطلاق تمام سیاسی جماعتوں پر یکساں ہونا چاہیے۔ اگر الزام ثابت ہوتا ہے تو ذمہ داری کا تعین ہونا چاہیے، اور اگر ثابت نہیں ہوتا تو کسی کی ساکھ کو نقصان پہنچانے سے گریز کیا جانا چاہیے۔ اس پورے معاملے میں سب سے بنیادی سوال یہی ہے کہ احتجاج کرنے والے آخر چاہتے کیا ہیں؟ اگر مقصد انتخابی فہرستوں کی اصلاح، اہل ووٹروں کے حقوق کا تحفظ اور انتخابی عمل کی شفافیت ہے تو ان مقاصد کے لیے واضح تجاویز پیش کی جانی چاہییں۔ اگر کسی شہری کا نام غلط طور پر حذف ہوا ہے تو اس کی بحالی کا طریقہ کیا ہوگا؟ شکایتوں کی جانچ کس طرح ہوگی؟ اور آئندہ ایسی غلطیوں سے نمٹنے کے لیے کیا انتظامی تبدیلیاں ضروری ہیں؟ ان سوالات کے جواب دیے بغیر صرف ایک عہدے دار کے استعفے پر زور دینا مسئلے کے حل کے لیے ناکافی ہوسکتا ہے۔ استعفے کا مطالبہ سیاسی احتجاج کا حصہ ضرور ہوسکتا ہے، لیکن اس سے خود بخود انتخابی فہرستوں کے مسائل حل نہیں ہوجاتے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ 15 اکتوبر کو سپریم کورٹ نے SIR سے متعلق درخواست پر الیکشن کمیشن سے جواب طلب کیا اور متعلقہ ریکارڈ پیش کرنے کی ہدایت دی۔ اس پیش رفت کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ قانونی جانچ کے دائرے میں ہے۔ اسے نہ تو الزامات کے ثابت ہونے کے مترادف سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ شکایات کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔ اسی لیے سیاسی جماعتوں کو چاہیے کہ وہ قانونی عمل کو اپنا راستہ اختیار کرنے دیں، شواہد پیش کریں اور عوام کو غیر ضروری قیاس آرائیوں کے بجائے حقائق سے آگاہ کریں۔ نریندر مودی کی قیادت میں بی جے پی نے مختلف انتخابات میں کامیابی حاصل کی ہے اور اسے عوام کے ایک بڑے طبقے کی حمایت حاصل رہی ہے۔ اس حمایت کے اسباب پر مختلف آرا ہوسکتی ہیں، جن میں حکومتی پالیسیاں، قیادت، سیاسی تنظیم، فلاحی اقدامات اور انتخابی حکمت عملی شامل ہیں۔

دفاعی اداروں کیلئے تلنگانہ سرمایہ کاری کا بہترین مرکز: ریونت ریڈی

ایرواسپیس اور ڈیفنس پالیسی کا عنقریب اعلان، رکھشا ایکسپو تعارفی پروگرام میں عالمی اداروں کی شرکت



حیدرآباد۔ تلنگانہ کے ڈیفنس شعبہ میں بہتر سرمایہ کاری کو یقینی بنانے حکومت جلد ایرو اسپیس اینڈ ڈیفنس پالیسی کا اعلان کرے گی۔ چیف منسٹر ریونت ریڈی نے کہا کہ ڈیفنس کے شعبہ میں ریسرچ اور پروڈکشن کیلئے حیدرآباد بہترین مرکز ہے۔ چیف منسٹر رکھشا ایکسپو کے تعارفی پروگرام سے خطاب کررہے تھے جس میں چیف منسٹر نے ڈسمبر میں ہونے والے تلنگانہ گلوبل سمٹ کے موقع پر رکھشا ایکسپو میں بین الاقوامی اور قومی ڈیفنس کمپنیوں کی شرکت کی تفصیلات سے واقف کرایا۔ چیف منسٹر نے کہا کہ حیدرآباد ملک میں سرمایہ کاری کا بہترین مقام ہے اور حیدرآباد میں کئی ریسرچ ادارے موجود ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حیدرآباد کا شمار ملک کے محفوظ شہروں میں ہوتا ہے جہاں پر سرمایہ کاری کے ذریعہ عالمی اور قومی ادارے اپنی سرگرمیوں کو فروغ دے سکتے ہیں۔ تلنگانہ جنوبی ہند کی واحد ریاست ہے جہاں ساحل سمندر موجود نہیں۔ حکومت نے وقار آباد کے دموگوڑیم ریزرو فارسٹ علاقہ میں بحریہ کے راڈار اسٹیشن کے قیام کے لئے اراضی مختص کی ہے۔ انہوں نے ڈیفنس کمپنیوں کو 7 تا 9 ڈسمبر فیوچر سٹی میں تلنگانہ گلوبل سمٹ میں شرکت کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ تعارفی پروگرام میں ڈیفنس، اسپیس، ایرو اسپیس اور سیکوریٹی جیسے اہم شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے اداروں کی اہم شخصیتوں نے شرکت کی۔ ڈی آر ڈی او، ایچ اے ایل، بی ڈی ایل، مدھانی، ٹاٹا گروپ، ایئربس، اسکائی روٹ، بھارت فورج اور دیگر اداروں نے اس پروگرام میں شرکت کی۔ چیف منسٹر نے کہا کہ دفاع کے شعبہ کیلئے انتہائی ذہین نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ آئی آئی ٹیز، ٹرپل آئی ٹیز، این آئی ٹی، انڈین اسکول آف بزنس وبٹس پلانی جیسے اداروں کی ضرورت ہے جہاں سے فارغ طلبہ کو ڈیفنس کے شعبہ میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نے ریاست کی تمام آئی ٹی آئیز کو اڈوانسڈ ٹریننگ سنٹرس میں تبدیل کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان کے ڈیفنس سیکٹر میں تلنگانہ ایک بڑے صنعتی مرکز میں تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ دفاعی ادارے تلنگانہ میں سرمایہ کاری کرتے ہوئے ریسرچ اور پروڈکشن کا کام انجام دیں گے۔ چیف منسٹر نے تلنگانہ رائزنگ ویژن 2047 کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے کہا کہ 2034 تک ایک ٹریلین ڈالر جبکہ 2047 تک ریاست کی معیشت کو تین ٹریلین ڈالر تک ترقی دینے کا منصوبہ ہے۔ ملک کی مجموعی گھریلو پیداوار میں تلنگانہ کی حصہ داری 5 فیصد ہے اور حکومت 2047 تک اسے 10 فیصد تک ترقی دینے کا منصوبہ رکھتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رکھشا ایکسپو کے ذریعہ ڈیفنس اور ریسرچ کے شعبہ کے اداروں کو سرمایہ کاری میں مدد ملے گی۔ اس موقع پر ریاستی وزراء ڈاکٹر اتم کمار ریڈی، سریدھر بابو، ڈپٹی چیف منسٹر بھٹی وکرامارکا اور چیف سکریٹری شنچے جاجو موجود تھے۔

ایڈوکیٹ مومن روشن ضمیر نے سمارام موہن ریڈی کو تہنیت پیش کی



ایڈوکیٹ مومن روشن ضمیر، اسٹیٹ جنرل سکریٹری و انچارج سوشل میڈیا، لیگل سیل (قانون، انسانی حقوق اور آر ٹی آئی ڈپارٹمنٹ)، تلنگانہ پردیش کانگریس کمیٹی (ٹی پی سی سی)، اور رکن، حیدرآباد وقف پروٹیکشن اینڈ آرڈیننس کمیٹی، حکومتِ تلنگانہ نے سما رام موہن ریڈی، حیدرآباد، رنگاریڈی اور محبوب نگر گریجویٹ ایم ایل سی حلقہ کے کانگریس پارٹی امیدوار کو تہنیت پیش کی۔ یہ تہنیتی تقریب 24-10-2026 کو گاندھی بھون، اندرا بھون، حیدرآباد میں لیگل سیل۔ٹی پی سی سی کے ریاستی ایگزیکٹیو اجلاس کے موقع پر منعقد ہوئی۔ یہ اجلاس پونم اشوک گوڑ صاحب، چیئرمین، لیگل سیل۔ٹی پی سی سی اور رکن، بار کونسل آف تلنگانہ کی قیادت میں منعقد کیا گیا۔ اس موقع پر پونم اشوک گوڑ صاحب، مومن روشن ضمیر، سنتوش، شاردا اور جانوی موجود تھے۔

گیانیش کمار کے خلاف احتجاج کا سلسلہ جاری

حسین ساگر پر انسانی زنجیر بناتے ہوئے جہد کاروں نے مظاہرہ کیا

حیدرآباد۔۔ گیانیش کمار اور الیکشن کمیشن ا؟ف انڈیا کے خلاف ملک میں جاری احتجاج کے حصہ کے طور پر ا؟ج حیدرا؟باد کے حسین ساگر پر 'انسانی زنجیر' بناتے ہوئے بڑے پیمانے پر احتجاج منظّم کیا گیا جس میں کئی سرکردہ جہدکاروں کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں عوام نے شرکت کی اور S.I.R کو رد کرنے کے علاوہ چیف الیکشن کمشنر گیانیش کمار کے استعفیٰ کا مطالبہ کیا۔ ماہر معاشیات پرکالہ پربھاکر نے ملک بھر میں ''ہرگلی جنتر منتر'' کا اعلان کرنے کے بعد ا؟ج حسین ساگر پر 'انسانی زنجیر' کی تشکیل کے ذریعہ احتجاج منظّم کرنے کا اعلان کیا تھا جس میں دونوں شہروں حیدرا؟باد وسکندرا؟باد کی مختلف تنظیموں سے تعلق رکھنے والی سرکردہ شخصیات وجہدکاروں کے علاوہ طلبہ تنظیموں کے نمائندوں نے شرکت کرتے ہوئے اسے کامیاب بنایا۔ انقلابی شاعر و جہدکار مخدوم محی الدین کے مجسمہ کے قریب سے بنائی گئی یہ انسانی زنجیر ٹینک بنڈ سے تجاوز کرتے ہوئے دونوں جانب احتجاجیوں سے بھر گیا۔ پرکالہ پربھاکر نے اس احتجاجی مظاہرہ کو شہر حیدرا؟باد میں گیانیش کمار کے خلاف احتجاجی مظاہروں کا ا؟غاز قرار دیتے ہوئے کہا کہ دہلی میں پولیس کی جانب سے کی جانے والی کاروائیوں کے نتیجہ میں ملک بھر کے نوجوانوں کے علاوہ سنجیدہ طبقات میں حکومت کے خلاف ناراضگی میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ملک میں S.I.R کے ذریعہ شہریوں کے بنیادی حقوق چھیننے کی کوشش کی جارہی ہے۔ انہوں نے SIR کے نام پر شہریوں کو ہراسانی اور ان کے نام فہرست رائے دہندگان سے خارج کرتے ہوئے انہیں مشکل حالات کا شکار بنایا جارہا ہے۔ پرکالہ پربھاکر نے بتایا کہ ملک بھر میں الیکشن کمیشن ا؟ف انڈیا کے خلاف عوامی برہمی میں ریکارڈ کئے جانے والے اضافہ کے باوجود مرکزی حکومت کی جانب سے کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہ کئے جانے سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ الیکشن کمیشن ا؟ف انڈیا کی کارکردگی شبہات سے بالاتر نہیں ہے اور نہ ہی غیر جانبداری باقی ہے۔ حسین ساگر پر منعقدہ اس احتجاجی پروگرام میں پرکالہ پربھاکر کے علاوہ سابق ا؟ئی اے ایس اکنوری مرلی، سابق صدرنشین تلنگانہ ایجوکیشن کمیشن، کرن ویسا، محترمہ ماریہ تبسم کے علاوہ دیگر موجود تھے۔ SIR کے خلاف ملک بھر میں جاری احتجاجی مظاہروں کے دوران شہر حیدرا؟باد میں شروع ہونے والے اس احتجاج کے بعد کہا جارہا ہے کہ جنوبی ہند میں شہر حیدرا؟باد میں تاریخی احتجاجی پروگرام منظّم کرنے کی تیاریاں تیز کی جانے لگی ہیں۔ حسین ساگر پر انسانی زنجیر کی تشکیل کے احتجاجی پروگرام کے انعقاد میں پولیس کی جانب سے مداخلت کی کوشش پر انسانی حقوق کے جہد کاروں نے شدید برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ریاست تلنگانہ میں جہاں کانگریس کی حکومت ہے اگر پولیس کی جانب سے SIR کے خلاف جاری احتجاج میں مداخلت کی کوشش کی جاتی ہے تو اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ریاست میں حکومت کسی کی ہو ملک بھر میں پولیس نظم ونسق مرکزی وزارت داخلہ کے تحت چلایا جارہا ہے۔ حسین ساگر پر احتجاجی پروگرام کی ابتداء کے دوران ہی پولیس کی جانب سے احتجاجیوں کو فٹ پاتھ سے ہٹانے کی کوشش کی جس پر احتجاجیوں نے شدید برہمی کا اظہار کیا اور پولیس اس عوامی برہمی کو دیکھتے ہوئے خاموش ہوگئی۔ اس احتجاجی پروگرام میں بڑی تعداد میں برقع پوش خواتین اور لڑکیاں بھی شریک رہیں اور ان کے ہاتھوں میں ترنگا اور پلے کارڈس موجود تھے جن پر دستور بچاو؟ 'ملک بچاو؟ 'جمہوریت بچاو؟۔ ملک بچاو؟' کے علاوہ ایس ا؟ئی ا؟ر کو رد کرو جیسے نعرے درج تھے۔ احتجاج میں شامل نوجوانوں کے علاوہ بزرگ شہریوں نے بتایا کہ SIR کے نام پر جس انداز میں مخصوص مذہب سے تعلق رکھنے والوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے وہ ملک کے ا؟ئین کی سنگین خلاف ورزی اور ملک کے ساتھ کی جانے والی بدترین بددیانتی ہے۔ الیکشن کمیشن ا؟ف انڈیا کی اس بدنیتی اور غیر دستوری اقدام کے خلاف جاری احتجاج میں مزید شدت پیدا کرنے کا اعلان کرتے ہوئے احتجاج میں شامل افراد و جہدکاروں نے کہا کہ اگر گیانیش کمار کو اسی طرح تحفظ فراہم کیا جاتا رہے گا تو ایسی صورت میں احتجاج کو مزید شدید کیا جائے گا اور ملک کے ہر گلی اور محلّہ میں احتجاج منظّم کرتے ہوئے الیکشن کمیشن ا؟ف انڈیا کی کارکردگی کو بہتر بنانے کا مطالبہ کیا جاتا رہے گا۔

جنوبی کوریا کی کمپنیوں کو تلنگانہ میں سرمایہ کاری کی دعوت

کوریا کلچرل ڈے کا اہتمام، بھٹی چیف منسٹر بھٹی وکرامارکا کا خطاب



حیدرآباد۔ ڈپٹی چیف منسٹر بھٹی وکرامارکا نے کہا کہ حکومت تلنگانہ میں کوریا کی کمپنیوں کی سرمایہ کاری کو اولین ترجیح دیتی ہے۔ سرمایہ کاری کے ذریعہ روزگار کے مواقع پیدا کئے جاسکتے ہیں اور ٹیکنالوجی کا تبادلہ عمل میں آئے گا۔ بھٹی وکرامارکا نے کوریائی کمپنیوں کو الیکٹرانکس، الیکٹرک وہیکلس، اڈوانس مینوفیکچرنگ، لائیو سائنسیس، قابل تجدید توانائی اور ٹیکنالوجی کے شعبہ جات میں سرمایہ کاری کی دعوت دی۔ ڈپٹی چیف منسٹر آج حیدرآباد میں کوریا ہارمنی فیسٹیول سے خطاب کررہے تھے۔ کوریا کلچر ڈے 2026 کے تحت اس پروگرام کا انعقاد عمل میں آیا۔ بھٹی وکرامارکا نے بتایا کہ اگست 2024 میں چیف منسٹر ریونت ریڈی کے دورہ ساؤتھ کوریا کے موقع پر سرمایہ کاری کے سلسلہ میں کئی کمپنیوں کے ساتھ مذاکرات ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ معاشی ترقی اور اسکل ڈیولپمنٹ کے شعبہ جات میں تلنگانہ کو کوریا کے ساتھ اشتراک کی ضرورت ہے۔ انہوں نے صنعتوں، یونیورسٹیز، ریسرچ اور دیگر شعبہ جات میں کوریا کے ساتھ باہمی تعاون کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے سرمایہ کاری کی صورت میں حکومت کی جانب سے بہتر انفرااسٹرکچر سہولتوں کا وعدہ کیا۔ بھٹی وکرامارکا نے کہا کہ تلنگانہ ٹورازم پالیسی 2025-30 کے تحت 15 ہزار کروڑ کی سرمایہ کاری کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔ انہوں نے ٹورازم انفرااسٹرکچر، فلم ٹورازم اور دیگر شعبہ جات میں کوریائی کمپنیوں کی شراکت کا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے کہا کہ کوریا اور ہندوستان کے مختلف شعبہ جات میں بہتر تعاون کا سلسلہ جاری ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان اور ساؤتھ کوریا میں کئی مماثلت موجود ہیں۔ دونوں ممالک تہذیبی اور ثقافتی ورثہ کے تحفظ میں سنجیدہ ہیں۔ اس موقع پر ہندوستان میں ساؤتھ کوریا کے سفیر لی سونگ ہو اور حیدرآباد میں کونسل جنرل سی ایچ سریش موجود تھے۔

ایس آئی آر کے ذریعہ مسلم ووٹرس نشانہ، حق رائے دہی سے محروم کرنے کی کوشش

الیکشن کمیشن کے ذریعہ ہی ووٹ چوری۔ گیانیش کمار کی علیحدگی تک احتجاج کا منصوبہ۔

دھرنا چوک پر مظاہرہ۔ کئی اہم شخصیات وطلباء قائدین شریک

حیدرآباد۔ ملک میں S.I.R کے بعد ہونے والے تمام اسمبلی انتخابات کو کالعدم قرار دے کر فہرست رائے دہندگان میں تنقیح وتصحیح کے نام پر جاری مخصوص طبقہ کو فہرست رائے دہندگان سے خارج کرنے کا سلسلہ فوری بند کیا جائے۔ دھرنا چوک اندرا پارک پر ا؟ج مختلف تنظیموں کی جانب سے احتجاجی مظاہرہ کے دوران گیانیش کمار کے استعفیٰ کے مطالبہ کے ساتھ رائے دہی کے عمل کو شفاف بنانے الیکشن کمیشن کی کارکردگی کو بہتر بنانے اور اسے سیاسی چنگل سے ا؟زاد کروانے کا مطالبہ کیا گیا۔ حیدرا؟باد میں شروع ہونے والے SIR کے خلاف مظاہروں سے ایسا محسوس ہورہا ہے کہ جنوبی ہند کی ریاستوں میں 'حیدرا؟باد' ایس ا؟ئی ا؟ر کے خلاف احتجاجی مظاہروں کا مرکز بننے جارہا ہے کیونکہ گذشتہ دو یوم سے بڑے پیمانے پر مظاہروں کے دوران اب اس بات کی توثیق ہونے لگی ہے کہ شہر حیدرا؟باد میں موجود تمام یونیورسٹیز کے طلبہ نے بھی ایس ا؟ئی ا؟ر کے خلاف احتجاج میں شدت پیدا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ شہر کی مختلف طلبہ تنظیموں اور فلاحی وسماجی تنظیموں کی جانب سے منعقدہ اس احتجاجی دھرنے میں جماعت اسلامی کے ذمہ داران اور دیگر نے شرکت کرکے اعلان کیا کہ ملک میں SIR کو روکنے اور گیانیش کمار کو ہٹائے جانے تک یہ احتجاج جاری رہے گا۔ سرکردہ افراد نے احتجاجیوں سے خطاب کے دوران کہا کہ حکومت اپنے سیاسی مفادات کیلئے ملک کی سالمیت کو خطرہ میں ڈالنے کی مرتکب ہوئی ہے اور جس انداز سے ایس ا؟ئی ا؟ر کے نام پر فہرست رائے دہندگان سے ناموں کو حذف کیا جارہا ہے وہ درحقیقت ملک کے جمہوری شیرازہ کو بکھیرنے کی کوشش کے مترادف ہے۔ معززین نے کہا کہ ملک میں فاشسٹ حکومت ا؟مرانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے قانونی اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی من مانی کی کوشش کررہی ہے اور بالواسطہ طور پر ہندستانی مسلمانوں کو دوسرے درجہ کا شہری بنانے کی عملی کوشش کی جارہی ہے۔ احتجاج میں شامل افراد نے بتایا کہ فہرست رائے دہندگان سے منظّم انداز میں مسلم رائے دہندوں کو خارج کرنے یا ان کے ناموں کے غلط اندراج کے ذریعہ انہیں حق رائے دہی سے محروم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جناب ملک معتصم خان نے خطاب میں کہا کہ دستور ہند ملک کے تمام شہریوں کو یکساں حقوق فراہم کرتا ہے اور یکساں حقوق کے معاملہ میں اگر مساوات کی بہترین کوئی مثال ہے تو وہ 'ووٹ' ہے لیکن اب حکومت کی نگرانی میں الیکشن کمیشن کے ذریعہ ہی ووٹ کی چوری کی جانے لگی ہے جو مساوات کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ 'پیپلز اگینسٹ ایس ا؟ئی ا؟ر' کی جانب سے دھرنا چوک پر اس احتجاجی مظاہرہ کے دوران امیر جماعت اسلامی جناب محمد اظہر الدین' پروفیسر ہرا گوپال' حامد محمد خان' پرکالہ روی' محترمہ ماریہ تبسم' محترمہ سارہ میتھیوز' شہباز علی خان' کرن ویسا و دیگر اہم شخصیات موجود تھے۔ جناب عبدالعزیز جبار' جناب منظور احمد' کے علاوہ ایس ا؟ئی او حیدرا؟باد' AISA' بھگت سنگھ مو؟منٹ اور دیگر تنظیموں کے ذمہ دار موجود تھے۔ احتجاجی اپنے ہاتھوں میں ترنگا اور مخالف الیکشن کمیشن بیانر و پلے کارڈس تھامے ہوئے تھے۔ اس مظاہرہ میں شامل طلبہ تنظیموں کے ذمہ داروں نے بتایا کہ وہ شہر کے مختلف مقامات پر SIR کے خلاف اپنے احتجاجی پروگرامس کے ا؟غاز کی منصوبہ بندی کررہے ہیں اور جلد شہر 'حیدرا؟باد' میں فلاش پروٹسٹ ProtestFlash کے طرز کے احتجاجی مظاہروں کا ا؟غاز کیا جائے گا تاکہ عوام میں شعور بیداری کے ساتھ گیانیش کمار کے استعفیٰ کا مطالبہ کرکے احتجاج میں شدت پیدا کی جاسکے۔

راہول گاندھی ملک بھر کے دورے کررہے ہیں، لیکن انہیں تلنگانہ کا راستہ نہیں مل رہا: کے ٹی آر

حیدرآباد: بی آر ایس کے ورکنگ پریسیڈنٹ کے ٹی راما راؤ نے اتوار، 25 اکتوبر کو کانگریس پر الزام لگایا کہ وہ اپنے انتخابی وعدوں کو پورا کرنے میں ناکام رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ 1000 دن گزر جانے کے باوجود وعدے پورے نہیں ہوئے، حالانکہ پارٹی کے سینئر رہنما راہول گاندھی نے پہلے 100 دنوں کے اندر 'چھ ضمانتیں' پوری کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ تلنگانہ بھون میں خیر تبادلہ سے تعلق رکھنے والے اقلیتی رہنما جبران شریف کو بی آر ایس میں شامل کراتے ہوئے، کے ٹی آر نے الزام لگایا کہ وزیر اعلیٰ ریونت ریڈی ریاست کو راہول گاندھی کے لیے ایک 'اے ٹی ایم' کے طور پر چلا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ راہول گاندھی ملک بھر کے دوروں میں مصروف ہیں، لیکن انہیں تلنگانہ آنے کا راستہ نہیں مل رہا، جہاں انہوں نے 420 وعدے کیے تھے۔ کے ٹی آر نے کہا کہ انتخابات سے قبل اشوک نگر کے دورے کے دوران، راہول گاندھی بے روزگار نوجوانوں سے بات چیت کرنے کے لیے چائے کے ایک اسٹال پر بیٹھے تھے، لیکن اب انہیں اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ کانگریس، جس نے پہلے سال میں دو لاکھ نوجوانوں کو ملازمتیں دینے کا وعدہ کیا تھا، اسے یہ وضاحت کرنی چاہیے کہ وہ اس وعدے کو کہاں تک پورا کرسکی ہے۔ اسی طرح، انہوں نے کہا کہ حکومت نے اقلیتوں کی بہبود کے لیے 4000 کروڑ روپے کے بجٹ مختص کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے سوال کیا، ''کیا اس حکومت نے 'آسرا پنشن' — جسے سابقہ ??بی آر ایس حکومت نے شروع کیا تھا — کو 2000 روپے سے بڑھا کر 4000 روپے کرنے کا اپنا وعدہ پورا کیا؟'' کے ٹی آر نے کہا، ''جمہوریت میں حکومت سے سوال پوچھنا نہ صرف اپوزیشن کی ذمہ داری ہے بلکہ یہ عوام کا حق بھی ہے۔'' انہوں نے الزام لگایا کہ کانگریس تنقید برداشت نہیں کرتی، اور جو لوگ سوال پوچھتے ہیں انہیں جواب ملنے کے بجائے مقدمات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وزیر اعلیٰ کے خاندان سے متعلق کئی تنازعات سامنے آئے ہیں جن کا تعلق زمین اور کاروباری سودوں سے ہے۔ انہوں نے وزیر اعلیٰ (CM) سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا، ''آپ نے پانچ ایکڑ زمین، جس کی مالیت تقریباً 200 کروڑ روپے بتائی جاتی ہے، اپنے بھائی کو محض 7 کروڑ روپے میں تحفے کے طور پر دے دی۔'' انہوں نے مزید کہا، ''ہم امریکہ میں مقیم ایک اور بھائی کے حوالے سے سامنے آنے والے 1,000 کروڑ روپے کے سودے کی مکمل تفصیلات منظرِ عام پر لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔'' کانگریس، بی جے پی کا مقابلہ نہیں کرسکتی' کے ٹی آر نے کہا کہ جہاں مرکز میں بی جے پی کی قیادت والا این ڈی اے عوام کے درمیان تفریق پیدا کررہا ہے، وہیں تلنگانہ میں کانگریس عوام کا استحصال کررہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کانگریس میں تنہا اتنی سیاسی طاقت نہیں ہے کہ وہ وزیر اعظم نریندر مودی کا مقابلہ کرسکے اور فرقہ وارانہ سیاست کا توڑ کرسکے۔ انہوں نے اپوزیشن رہنماؤں کے خلاف مرکزی تفتیشی اداروں — جیسے ای ڈی، سی بی آئی اور محکمہ انکم ٹیکس — کے استعمال پر بھی تنقید کی اور الزام لگایا کہ سیاسی مخالفین کو ڈرانے دھمکانے کے لیے مقدمات اور گرفتاریوں کا سہارا لیا جارہا ہے۔ کے ٹی آر نے کہا کہ کانگریس کے خلاف عوامی ناراضگی بڑھ رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بی آر ایس طاقت کے اس کھلے غلط استعمال پر سوال اٹھاتی رہے گی، اور مزید کہا کہ کے سی آر 2028 میں دوبارہ اقتدار میں آئیں گے اور دوبارہ وزیر اعلیٰ بنیں گے۔ بی جے پی میں تلنگانہ کے اندر کانگریس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ ریونت ریڈی کے دورِ حکومت میں گھپلوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے... اور جب ان سے سوال کیا جاتا ہے تو جواب میں گالم گلوچ، دھمکیاں اور جھوٹے مقدمات سامنے آتے ہیں۔ کے سی آر 2028 میں دوبارہ وزیر اعلیٰ بنیں گے... اور ہم تلنگانہ کو دوبارہ نمبر ون ریاست کے مقام پر واپس لائیں گے۔ جہاں دہلی میں بی جے پی کی حکومت عوام کے درمیان تفریق پیدا کررہی ہے، وہیں تلنگانہ میں کانگریس کی حکومت عوام کو لوٹ رہی ہے۔

دیپاولی سے قبل تلنگانہ میں مٹھائی تیار کرنے والی یونٹوں اور دوکانات کی جانچ

حیدرآباد - دیپاولی کے پیش نظر تلنگانہ میں مٹھائی تیار کرنے والے مراکز اور مٹھائی کی دکانوں میں صفائی و غذائی تحفظ کے معیار کی جانچ کیلئے تلنگانہ اسٹینڈرڈز اتھارٹی فار فوڈ اینڈ اسینشل ڈرگس (ٹی جی سیف) کی جانب سے مختلف اضلاع میں خصوصی مہم 23 اکتوبر کو انجام دی گئی۔ اس مہم میں 53 اداروں کا معائنہ کیا گیا اور مختلف مقامات پر صفائی وحفظانِ صحت سے متعلق خامیاں پائی گئیں۔ ٹی جی سیف ذرائع کے مطابق 24 اکتوبر کو معائنے کے دوران بعض اداروں میں فرش کی خستہ حالت اور ناقص غذائی اشیاء کی موجودگی، برتن دھونے کے مقامات پر گندگی، نالیوں کی عدم صفائی اور دیواروں پر گرد وغبار اور کھانے پینے کی اشیاء کے داغ پائے گئے۔ حکام نے یہ بھی نشاندہی کی کہ بعض اداروں میں کیڑوں پر قابو پانے سے متعلق ریکارڈ اور غذائی اشیاء تیار کرنے والے ملازمین کے صحت سے متعلق ریکارڈ دستیاب نہیں تھے۔ کچھ ملازمین بغیر ہیئر نیٹ اور دستانوں کے کام کرتے پائے گئے، جبکہ ایگزاسٹ سسٹم اور چمنیوں پر چکنائی جمع تھی۔ معائنے کے دوران غذائی اشیاء کو فرش پر رکھنے اور کھانے پینے کی اشیاء کے ساتھ غیر غذائی اشیاء ذخیرہ کرنے جیسے معاملات بھی سامنے آئے۔ حکام نے مشتبہ ملاوٹ کی جانچ کیلئے 38 نمونے حاصل کیے۔ خامیوں کو دور کرنے مٹھائی کی 20 دوکانوں کو وجہ نمائی نوٹس دی گئی۔ ان اداروں کا دوبارہ معائنہ کرکے غذائی تحفظ کے ضوابط پر عمل ا؟وری کی جانچ کی جائیگی۔ یہ خصوصی مہم منچریال، جنگاؤ؟ں، سدی پیٹ، کھمم، نارائن پیٹ، جوگولامبا گدوال، ونپرتی، نلگنڈہ، سوریہ پیٹ، پداپلی، کاماریڈی، نرمل، حیدرا؟باد، کریم نگر، نظام ا؟باد، ہنمکنڈہ، میدک، ملگ، جگتیال، ورنگل، محبوب نگر اور دیگر علاقوں میں مختلف مٹھائی کی دکانوں، بیکریوں اور متعلقہ اداروں میں انجام دی گئی۔ ٹی جی سیف نے واضح کیا کہ معائنے کے بعد دوبارہ جانچ کی بنیاد پر مزید کارروائی کی جائے گی۔

پونم پربھاکر نے اپل بس ٹرمینل کیلئے سنگ بنیاد رکھا

حیدرآباد۔ وزیر ٹرانسپورٹ اور بی سی ویلفیر پونم پربھاکر نے کل ملکاجگیری میونسپل کارپوریشن کے بوڈاپل سرکل۔10 میں اپل زونل ورکشاپ کے قریب اولڈ اپل بس ڈپو کے سائیٹ پر ایک ماڈرن سٹی بس ٹرمینل کیلئے سنگ بنیاد رکھا۔ اس ٹرمینل کو میونسپل کارپوریشن کی مدد سے 3.22 کروڑ روپئے تخمینہ خرچ سے تعمیر کیا جارہا ہے۔ وزیر موصوف نے کہا کہ اس ٹرمینل پر مسافرین کے لئے تمام ضروری سہولتیں ہوں گی اور اسے ا؟رام دہ اور خوشگوار ماحول فراہم کرنے کے لئے ڈیزائن کیا گیا ہے۔ انہوں نے اس کی تعمیر 100 دن کے اندر مکمل کرنے کی ہدایت دی۔

Editor Printer, Publisher & Owner by MOHD ATHER RAHEEM Published from FALAKNUMA NEWS Urdu Weekly 19-4-276/5/A Flat No 502.5th Floor Lakeview Residency,Baquar Nagar,BNK Colony,Miralam Tank Hyderabad 500 064. Printed at RIYAZ PRINTING PRESS #22-8-161 Behind Nayaab Hotel Chatta Bazar,Hyderabad-500002 Telangana.Head Office Contact No.04045375318,www.falaknumanews.in